سیرت امہات المومنین

مولانا محمد اسحاق بھٹی

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

منہاج السنت پر تمام "پی ڈی یف" کتب قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اوران کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

منہاج السنت النبویہ ﷺ لائبریری ٹیم

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

سیرت امہات المومنین

مولانا محمد اسحاق بھٹی

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی
MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : maktabaalfaheemmau@gmail.com
WWW.faheembooks.com

نام کتاب	:	سیرت امہات المومنین
تالیف	:	مولانا محمد اسحاق بھٹی
طابع و ناشر	:	مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
سال اشاعت	:	ستمبر ۲۰۱۱ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار ایک سو
صفحات	:	64
قیمت	:	35/00

باہتمام

شفیق الرحمن، عزیز الرحمن

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : maktabaalfaheemmau@gmail.com
WWW.faheembooks.com

فہرست

پیش لفظ

نبی کریم ﷺ کی بعثت مومنین پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا عظیم احسان ہے۔آپ ﷺ نے کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔اور دین کے جملہ احکام کو واضح کیا۔آپ کے بعد آپ کے جاں نثار صحابہ،صحابیات اور بطور خاص امہات المومنین نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے امت کو روشناس کیا،اور امت کو وہ چیزیں بتائیں جو عام لوگوں سے مخفی تھیں اور ان معلومات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا۔امہات المومنین کی اس اعتبار سے بڑی فضیلت ہے کہ ان کا گھر مہبط وحی الٰہی اور حکمت ربانی کا گہوارہ تھا۔یہ عورتوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ان کے معروضات ومسائل کو خدمت نبوی میں پہنچاتی تھیں پھر جواب سمجھاتی تھیں۔اندرون خانہ ہونے والے افعال واقوال اور عبادات امت کو پہونچاتی تھیں اور علمی مشکلات میں رہنمائی کرتی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ﴿لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ﴾ (الاحزاب:۳۳/۳۲) (تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو) فرما کر ان کا درجہ ہر ایک عورت سے بالاتر بتایا ہے۔یہ آپ ﷺ کے لئے سکینہ قلب تھیں ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی محبت ومودت بھری ہوئی تھی اور آپ کے دل میں بھی ان کے لئے محبت ومودت تھی۔انہیں کی شان میں آیت تطہیر ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ (الاحزاب:۳۳/۳۳) نازل فرمایا اور اسے وحی متلو میں شامل فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا اور ان کے سامنے دو چیزوں کو رکھ کر ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دیا ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيلاً ، وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْراً عَظِيماً﴾ (الاحزاب:۳۳/۲۸،۲۹) اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تمہاری پسند زندگانی دنیا اور زینت دنیا ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں اور اگر تمہاری پسند اللہ،اس کے رسول اور آخرت کا گھر ہے تو یقین مانو کہ تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑا ہے۔
اور یہ بات مسلّم ہے کہ ان نیک طینت خواتین نے اللہ اور رسول اور دار آخرت کو پسند کیا جیسا کہ

احادیث سے ثابت ہے۔ اگر ان خواتین نے حیات دنیا اور زینت دنیا کو پسند کیا ہوتا تو حکم الٰہی کے مطابق آپ ان کو اپنے سے الگ کر دیتے لیکن آپ نے کسی کو بھی الگ نہیں کیا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ انھوں نے اللہ اور رسول اور دار آخرت کو پسند کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ﴾ (الاحزاب:۵۲/۳۳) ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ انہیں چھوڑ کر اور عورتوں سے نکاح کریں اگر چہ ان کی صورت اچھی بھی لگتی ہو۔

دوسری آیت کے اندر فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَداً إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيماً﴾ (الاحزاب:۵۳/۳۳) (نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ رسول اللہ کو تکلیف پہونچا اور نہ تمہارے لئے یہ حلال ہے کہ آپ کے بعد کسی وقت بھی آپ کی بیویوں سے نکاح کرو)

اس قدر فضائل رکھنے والی خواتین اور تمام مومنین کی ماؤں کے حالات اور ان کے کمالات سے واقف ہونا ضروری ہے۔

مکتبہ الفہیم، مئو نے اسی احساس کے پیش نظر ایک مختصر کتاب ''امہات المومنین'' طبع کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ امہات المومنین کی کل تعداد گیارہ یا بارہ ہے ان میں سے ۹ آخری لمحات میں آپ کے ساتھ موجود تھیں اور دو یا تین آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں۔ ان میں سے ۱۱ کا تذکرہ کتاب میں موجود ہے یہ تمام خواتین بالاتفاق امہات المومنین ہیں۔

حضرت ریحانہ بنت یزید کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی بیوی ہیں یا لونڈی۔ یہ بنو قریظہ کے ایک شخص کے عقد میں تھیں غزوۂ بنو قریظہ میں قید ہوئیں اور آپ ﷺ نے انہیں اپنے لئے منتخب فرمایا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ نے انہیں آزاد کر کے شادی کر لی اور وہ ام المومنین ہیں لیکن بعض کا خیال ہے کہ آپ نے انہیں آزاد نہیں کیا بلکہ بحیثیت لونڈی رکھا۔ اسی اختلاف کی بنا پر امہات المومنین کے تذکرے میں انہیں شامل نہیں کیا گیا۔ آپ کی ایک لونڈی ماریہ قبطیہ تھیں جن کے بطن سے آپ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے چونکہ یہ لونڈی تھیں اس لئے یہ امہات المومنین میں شامل نہیں ہیں اور ان کا تذکرہ بھی اس کتاب میں شامل نہیں ہے۔

امید کہ کتاب کی پذیرائی ہوگی اور اسے حسن قبول حاصل ہوگا۔

ناشران

مکتبہ الفہیم، مئو

ام المومنین

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عرب کے معزز ترین قبیلے قریش سے تعلق رکھتی تھیں۔ان کے پردادا کا نام قصی تھا جو رسول اللہ ﷺ کے بھی جد اعلیٰ تھے۔اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ اور حضرت خدیجہ ہم جد تھے۔حضرت خدیجہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ان کے والد محترم کا اسم گرامی خویلد تھا جو اپنے قبیلے اور خاندان میں انتہائی عزت واحترام کے مالک تھے اور مکہ میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔مکہ ہی میں شادی کی۔ حضرت خدیجہ عام الفیل سے پندرہ سال قبل پیدا ہوئیں۔ابتدا ہی سے بلند کردار اور حسن اخلاق کی حامل تھیں۔چونکہ بہترین اوصاف سے بہرہ مند تھیں،اس لئے طاہرہ کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ان کی کنیت ام ہند تھی۔

باپ نے اپنی اس بیٹی کی شادی کے لئے ورقہ بن نوفل کا انتخاب کیا جو ایک باکمال شخص تھے اور تورات وانجیل کے بہت بڑے عالم تھے،لیکن کسی وجہ سے ان سے شادی نہ ہو سکی تو ابوہالہ بن نباش تمیمی سے نکاح کر دیا گیا۔ابوہالہ کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے عقد میں آئیں۔بعد ازاں عتیق بھی وفات پا گیا تو صیفی بن امیہ سے نکاح ہوا۔صیفی حضرت خدیجہ کے چچا کے بیٹے تھے۔نکاح سے تھوڑا عرصہ بعد صیفی بھی انتقال کر گئے تو حضرت خدیجہ بیوہ ہو گئیں۔باپ بھی فوت ہو چکے تھے۔

تجارت

حضرت خدیجہ کا ذریعہ آمدنی تجارت تھا،لیکن باپ اور شوہر کی وفات کے بعد

ان کا کوئی محافظ اور نگراں نہ تھا، اس لئے سخت پریشانی میں مبتلا تھیں۔ تاہم سلسلہ تجارت باقاعدہ جاری تھا اور اپنے عزیزوں کو معقول معاوضہ دے کر ان کے ہاتھ مال تجارت بھیجتی تھیں۔ ان دنوں قریش کے تجارتی تعلقات زیادہ تر شام سے تھے اور حضرت خدیجہ کا مال تجارت بھی شام ہی میں جاتا تھا۔

مکہ معظّمہ میں رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں ''امین'' کے لقب سے مشہور تھے اور آپ کے اخلاق حسنہ، صدق وعدالت، راست بازی ومعاملہ فہمی، دیانت وامانت اور نجابت وشرافت کا بہت چرچا تھا اور تمام لوگ آپ کے مداح وثنا خواں تھے۔ آپ کے حسن معاملت کی شہرت سے متاثر ہوکر حضرت خدیجہ نے آپ کو پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام چلے جائیں، جو معاوضہ دوسروں کو دیتی ہوں اس سے آپ کو دوگنا دوں گی۔ آنحضرت نے خدیجہ کی یہ پیش کش قبول فرمائی اور حضرت خدیجہ کے غلام میسرہ کو ساتھ لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ واپس آ کر حساب کیا تو پہلے کی نسبت دوگنا منافع ہوا۔

حضرت خدیجہ کے مال ودولت اور علو اخلاق کی بنا پر بہت سے لوگ ان سے نکاح کے متمنی تھے، مگر وہ کسی پر رضا مند نہ تھیں۔ جب انھوں نے آنحضرت ﷺ کو قریب سے دیکھا تو آپ کے اخلاق عالی اور اعمال حسنہ سے نہایت متاثر ہوئیں اور اپنی خادمہ نفیسہ بنت مینہ کی معرفت پیغام نکاح بھیجا جو آپ نے منظور فرمالیا۔ حضرت خدیجہ کے والد خویلد بن اسد حرب الفجار میں وفات پاچکے تھے، اس لئے آپ کے چچا عمرو بن اسد جو آپ کے سرپرست بھی تھے، ولی مقرر ہوئے۔ شادی کی تاریخ مقرر ہوئی۔ تاریخ معین پر حضرت خدیجہ نے اپنے اعزہ کو بلالیا اور رسول اللہ ﷺ اپنے قریبی رشتہ داروں کو لے کر خدیجہ کے گھر پہنچ گئے۔ آنحضرت کے اقرباء میں ابوطالب اور حضرت حمزہ آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور عمرو بن اسد کے مشورے سے

پانچ سو طلائی مہر مقرر ہوا۔ یہ آنحضرت کی بعثت سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت پچیس برس کے نوجوان تھے۔

نکاح سے پندرہ برس بعد جب رسول اللہ ﷺ چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو اللہ کی طرف سے خلعت نبوت سے نوازے گئے۔ بیوی کی حیثیت سے قدرتی طور پر آپ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ ہی کو دعوت اسلام دی اور انھوں نے تمام لوگوں سے پہلے قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی صرف تصدیق ہی نہیں کی بلکہ ابتدائے اسلام ہی سے وہ آپ کی سب سے بڑی مددگار تھیں۔ آغاز اسلام میں مخالفین اسلام جو آپ کو مبتلائے مصائب کرنے سے کچھ جھجک محسوس کرتے تھے، اس کی بڑی وجہ حضرت خدیجہ کا ذاتی اثر ورسوخ تھا۔ انھوں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ گھبرائیے نہیں، اللہ ضرور آپ کی مدد کرے گا۔ جب کفار ومشرکین نے آپ کو اذیتیں پہنچانا شروع کیں تو خدیجہ آپ کو تسلی دیتی تھیں۔

نبوت کے ساتویں سال قریش نے آنحضرت اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ اشاعت اسلام کے باب میں حضرت خدیجہ آنحضرت کی مشیر تھیں۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں بھی بت پرستی نہیں کی۔ وہ اپنی دولت وثروت سے آنحضرت کی امداد کرتی تھیں۔

ان کے مقام ومرتبہ کا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ خدیجہ برتن میں کوئی چیز لا رہی ہیں۔ آپ انھیں اللہ کا اور میرا اسلام پہنچا دیں۔ حضرت خدیجہ جب تک زندہ رہیں۔ آنحضرت نے دوسری شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرت کا یہ دستور تھا کہ جب کوئی جانور ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کے گھر گوشت پہنچاتے۔ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ جب لوگوں نے میری

تکذیب کی تو خدیجہ نے میری تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں۔ جب کوئی میرا مددگار نہ تھا، انھوں نے میری مدد کی اور میری اولاد انہی سے ہوئی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح سے پچیس برس بعد تک زندہ رہیں، جن میں سے پندرہ برس قبل از نبوت کے ہیں اور دس برس بعد از نبوت کے وہ ۱۱؍رمضان المبارک سن ۱۰ نبوی کو ہجرت سے تین سال قبل ۶۴ سال چھے ماہ کی عمر پاکر فوت ہوئیں اس وقت نماز جنازہ کا شرعی حکم نافذ نہیں ہوا تھا لہٰذا انھیں اسی طرح دفن کردیا تھا۔ حضور نے خود ان کی قبر میں اتر کر اپنے اس سب سے بڑے ہم درد کو اللہ کے سپرد کیا۔ حضرت خدیجہ کی قبر حجون میں ہے اور زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔ حضرت خدیجہ کے سال وفات کو آنحضرت عام الحزن (غم کا سال) سے تعبیر کرتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو اولاد ہوئی اس کی مختصر طور پر تفصیل یہ ہے۔

حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر ابوہالہ سے ہالہ، طاہر اور ہند پیدا ہوئے۔ یہ تینوں بھائی رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ ہالہ بنت خدیجہ کا ذکر صحیح بخاری میں بھی آیا ہے۔ طاہر کو رسول اللہ ﷺ نے ایک ربع یمن کا حاکم مقرر کردیا تھا آنحضرت کے وصال تک یہ بہ دستور وہاں حکمران رہے۔ ان کی حکومت میں عک اور اشعریین کے قبیلے بھی شامل تھے، جنھوں نے حضور کے وصال کے بعد یمن میں سب سے پہلے ارتداد اختیار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے طاہر کو ان سے لڑائی کا حکم دیا تھا اور طاہر نے مسروق بن اجدہا کی معیت میں ان پر فوج کشی کرکے اس فتنے کو ختم کردیا تھا اور ان پر فتح حاصل کی تھی۔ اس واقعہ سے متعلق طاہر نے ایک نظم بھی کہی تھی۔

ہند رسول اللہ ﷺ کے ربیب اور پروردہ تھے۔ یہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ ہند نہایت فصیح وبلیغ تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ''وصاف'' کے طور سے مشہور تھے۔ آنحضرت ﷺ کا حلیہ

مبارک انتہائی فصاحت اور صحت سے بیان فرماتے تھے۔

ہند کے ایک بیٹے کا نام بھی ہند تھا، جن کا انتقال بصرہ میں ہوا۔ روایت ہے کہ ان دنوں طاعون کی بیماری زوروں پر تھی اور تمام لوگ اپنے اپنے مردوں کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ ان کا جنازہ اٹھانے والے صرف چار آدمی تھے۔ بصرہ کی ایک عورت نے یہ منظر دیکھا تو چلا کر کہا۔ وا ھند بن ھنداہ وا ابن ربیب رسول اللہ۔

لوگ عورت کی اس دردناک آواز سے انتہائی متاثر ہوئے اور اپنے اپنے مردوں کو چھوڑ کر ہند کے جنازے میں شریک ہو گئے اور دن بھر تمام بازار بند رہے۔

حضرت خدیجہ کے دوسرے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ تیسرے شوہر صیفی سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام محمد تھا۔

رسول اللہ ﷺ سے چھ بچے پیدا ہوئے۔ چار صاحب زادیاں اور دو صاحب زادے۔ ایک حضرت قاسم جو آپ ﷺ کے سب سے بڑے بیٹے تھے انہی کے نام پر آپ نے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھی۔ قاسم صغرسنی میں مکہ مکرمہ میں فوت ہو گئے تھے۔ دوسری اولاد حضرت زینب تھیں۔۔ تیسرے حضرت عبداللہ تھے جو زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے اور طیب اور طاہر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ انھوں نے بھی بہت کم عمر پائی چوتھی حضرت رقیہ اور پانچویں حضرت ام کلثوم تھیں۔۔۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء تھیں، جن کے فضائل ومناقب احادیث وسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جنھیں یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے آپ کا سلسلہ نسل چلا اور دنیا میں پھیلا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے عظیم الشان واقعات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا قریش کے ایک قبیلے عامر بن لوی سے تعلق رکھتی تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن عسل بن عامر بن لوی۔

حضرت سودہ کی والدہ کا نام شموس تھا جو مدینہ منورہ کے خاندان نجار کی خاتون تھیں۔ سودہ کا پہلا نکاح ان کے والد کے چچا کے بیٹے سکران بن عمرو سے ہوا تھا۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اسلام کی دعوت کانوں میں پڑتے ہی مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ان کے شوہر حضرت سکران بن عمرو نے بھی ان کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر مسلمانوں نے حبشہ کو ہجرت کی تو حضرت سودہ اور حضرت سکران مکہ مکرمہ ہی میں رہے۔ لیکن جب کفار و مشرکین کے ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کے ارادے سے عازم حبش ہوئی تو حضرت سودہ اور ان کے شوہر بھی ان میں شریک ہو گئے۔ یہ دونوں میاں بیوی کئی سال حبشہ میں قیام پذیر رہے۔ پھر واپس مکہ آ گئے۔ مکہ واپس آنے کے کچھ دن بعد حضرت سکران رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے۔

ازواج مطہرات میں حضرت سودہ پہلی خاتون ہیں جو حضرت خدیجہ کے بعد حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ ان کے نکاح کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ بہت مغموم اور پریشان رہتے تھے۔ حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی حضرت خولہ بنت حکیم نے آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک پر آثار ملال دیکھے تو عرض کیا: یا رسول اللہ آپ بہت غمگین رہتے ہیں، آپ کو ایک مونس کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا گھر کی نگرانی اور بچوں کی دیکھ بھال خدیجہ کرتی تھی۔ اب میں اس سلسلے میں

پریشان ہوں۔آپ کا اشارہ پا کر وہ حضرت سودہ کے والد زمعہ کے پاس گئیں جو بوڑھے ہو چکے تھے۔زمانہ جاہلیت کی رسم کے مطابق ''نعم صباحا'' کہہ کر سلام کیا اور آنحضرت کی طرف سے پیغام نکاح دیا۔زمعہ نے جواب دیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کفو تو بہت اچھے ہیں،لیکن سودہ سے دریافت کرنا ضروری ہے۔بہر حال تمام مراحل طے ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے۔حضرت سودہ کے والد نے ہی نکاح پڑھایا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا۔حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ اس زمانے میں اسلام نہیں لائے تھے۔انھیں معلوم ہوا تو اس نکاح پر سخت اظہار افسوس کیا۔نہایت خفا ہوئے اور سر پر خاک ڈال لی۔قبول اسلام کے بعد وہ اپنی اس حرکت پر ہمیشہ نادم رہے۔حضرت سودہ کا نکاح نبوت کے دسویں سال ہوا۔یعنی سن ۱۰ نبوت میں۔۔

طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے کہ سودہ کے شوہر حضرت سکران رضی اللہ عنہ ابھی زندہ تھے کہ حضرت سودہ نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے پاؤں سودہ کی گردن پر رکھ دیئے۔سودہ نے یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا،انھوں نے کہا سودہ بخدا اگر تم نے فی الواقع یہ خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں مر جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے نکاح کریں گے۔

کچھ دنوں بعد سودہ نے پھر خواب دیکھا کہ وہ تکیے کے سہارے لیٹی ہیں اور آسمان سے چاند پھٹ کر ان پر آ گرا ہے۔یہ خواب بھی انھوں نے سکران سے بیان کیا۔سکران نے اس کا جواب بھی یہی دیا کہ میں بہت جلد مر جاؤں گا اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں چلی جاؤ گی۔چنانچہ سکران اسی دن بیمار ہوئے اور چند روز بعد وفات پا گئے۔ان کے بعد سودہ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا اور یہ خواب پورا ہو گیا۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نہایت فیاض اور سخی تھیں۔ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی۔تھیلی لانے والے سے پوچھا اس میں کیا

ہے؟ کہا درہم ہیں۔ فرمایا کھجوروں کی طرح تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر تھیلی کا منہ کھولا اور اسی وقت تمام درہم تقسیم کر دیئے۔ وہ خود کام کرتی تھیں اور جو آمدنی ہوتی مستحقین میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ مزاج میں تیزی تھی۔ بعض دفعہ جلد غصے میں آ جاتیں۔

ایک مرتبہ کسی ضروری کام سے باہر جا رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمر مل گئے۔ سودہ کا قد لمبا تھا۔ حضرت عمر نے پہچان لیا۔ ان کو ازواج مطہرات کا باہر نکلنا سخت ناگوار گزرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پردے کے لئے عرض بھی کر چکے تھے۔ بولے: سودہ! ہم نے تم کو پہچان لیا۔ سودہ کو حضرت عمر کی اس بات پر غصہ آ گیا اور واپس آ کر رسول اللہ ﷺ سے حضرت عمر کی شکایت کی۔ اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔

تاہم طبیعت میں ظرافت بھی تھی۔ کبھی کبھی اس انداز سے چلتیں کہ رسول اللہ ﷺ انھیں دیکھ کر بے ساختہ ہنس پڑتے۔ ایک مرتبہ آنحضرت کے پیچھے نماز پڑھی تو کہا کل رات کو میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے اس قدر طویل رکوع کیا کہ مجھ کو نکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اور میں دیر تک اپنی ناک پکڑے رکھی۔ یہ جملہ سن کر حضور بڑے محظوظ ہوئے اور دیر تک مسکراتے رہے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری میں تمام ازواج مطہرات سے ممتاز تھیں۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعے پر ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اس حج کے بعد گھر میں بیٹھے رہنا۔ چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے اس ارشاد پر سختی سے عمل کیا اور حجۃ الوداع کے بعد نہ کبھی حج کیا، نہ عمرہ۔۔۔ فرماتی تھیں میں حج بھی کر چکی ہوں اور عمرہ بھی۔ اب اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق گھر ہی میں بیٹھی رہوں گی۔

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے صرف پانچ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے اور چار سنن اربعہ میں۔ صحابہ میں سے حضرت

عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت یحییٰ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم نے ان سے روایت بیان کی۔

''اصابہ'' میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، دجال سے بہت ڈرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے ہاں آ رہی تھیں کہ دونوں نے از راہ مزاح کہا:

سودہ: تم نے کچھ سنا؟

کہا: نہیں۔

بولیں: دجال ظاہر ہو گیا ہے۔

حضرت سودہ نے یہ سنا تو خوف زدہ ہو کر قریب کے ایک خیمے میں جا گھسیں۔

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہنستی ہوئیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ ئیں اور آپ ﷺ کو اس مزاح کے بارے میں بتایا۔ آنحضرت تشریف لائے اور خیمے کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔

سودہ! ابھی دجال نہیں نکلا ہے، باہر آ جاؤ۔

آنحضرت کی آواز سن کر حضرت سودہ باہر آ ئیں۔ خوف طاری تھا اور بدن پر مکڑی کا جالا لگا ہوا تھا، جسے باہر آ کر صاف کیا۔

رسول اللہ ﷺ سے حضرت سودہ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ البتہ پہلے شوہر حضرت سکران سے ایک لڑکا ہوا تھا، جن کا نام عبدالرحمٰن تھا اور وہ علاقہ فارس کی جنگ جلولا میں شہید ہو گئے تھے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا انتقال حضرت عمر کی خلافت کے آخری زمانے میں ہوا۔ حضرت عمر نے ۲۳ہجری میں شہادت پائی۔ اس لئے حضرت سودہ کا سال وفات غالباً ۲۲ہجری ہوگا۔ واقدی نے لکھا ہے کہ ۵۴ہجری میں فوت ہوئیں۔ لیکن دیگر مورخین نے اس سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے ۲۲ہجری میں انتقال کیا۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، ام عبداللہ کنیت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ ماں کا نام زینب تھا اور کنیت ام رومان تھی۔ بیت ابوبکر کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ اسلام کے دور اول ہی میں نور اسلام سے منور ہو گیا تھا اور حضرت عائشہ ان خوش بخت خواتین میں سے ہیں جن کی تربیت خالص اسلامی ماحول میں ہوئی اور ابتدا ہی سے ان کے کان کفر وشرک کی آواز سے نا آشنا رہے۔ وہ خود کہتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو دیکھا انھیں نعمت اسلام سے بہرہ مند پایا، ازواج مطہرات میں یہ خصوصیت بھی حضرت عائشہ صدیقہ ہی کو حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی کنواری بیوی تھیں۔ آنحضرت سے ان کا نکاح پانچ سو درہم کے عوض ۱۰ نبوی میں ہوا۔ حضرت عائشہ کا نکاح اور رخصتی دونوں تقریبیں شوال کے مہینے میں ہوئیں اس سے پہلے عرب شوال کے مہینے میں نکاح اور رخصتی کو فال نیک نہ سمجھتے تھے اور اس مہینے کو منحوس قرار دیتے تھے، کیونکہ کسی زمانے میں اس مہینے میں سخت طاعون پھیلا تھا۔ اس نکاح نے عربوں کی اس اوہام پرستی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غزوۂ احد میں شرکت کی۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہ اور ام سلیم کو دیکھا کہ مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ ذہانت اور حاضر جوابی میں بہت مشہور تھیں۔ اس سلسلے میں ان کے متعدد واقعات تاریخ وسیر کی کتابوں میں منقول ہیں، جن میں ایک واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ ان

گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پر تھے۔آنحضرت نے پوچھا:

عائشہ یہ کیا ہے؟

عرض کیا: گھوڑا ہے۔

آپ نے فرمایا: گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے۔

برجستہ جواب دیا: کیوں نہیں ہوتے؟ حضرت سلیمان کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔

آنحضرت اس فوری جواب اور بے ساختہ پن پر مسکرا دیے۔

نہایت سخی اور فیاض تھیں۔ایک دن روزے سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے اور کچھ نہ تھا۔اتنے میں ایک مسکین عورت آئی اور اس نے سوال کیا۔خادمہ کو حکم دیا کہ جو روٹی گھر میں پڑی ہے۔اسے کھلا دو۔اس نے عرض کیا آپ روزہ کس چیز سے افطار کریں گی؟ فرمایا اللہ مالک ہے،شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوادیا'لونڈی کو بلا کر کہنے لگیں۔لو کھاؤ' یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔

ایک مرتبہ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر نے ایک لاکھ درہم بھیجے۔ حضرت عائشہ اس دن بھی روزے سے تھیں۔تمام دراہم اسی وقت راہ خدا میں تقسیم کر دیئے۔شام ہوئی تو ام ذرہ نے کہا: ام المومنین! اس رقم سے روزہ افطار کرنے کے لئے کچھ گوشت ہی لے لیا ہوتا۔فرمایا تم نے بھی تو پہلے توجہ نہیں دلائی۔

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

فرمایا: منکدر تمھارے کوئی اولاد ہے؟

کہا: نہیں۔

فرمایا: اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو تمہیں ضرور دے دیتی۔اتفاق سے اسی شام حضرت امیر معاویہ یا ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر نے

دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھجوا دیئے۔ فرمایا کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی۔ اسی وقت آدمی بھیج کر منکدر بن عبداللہ کو بلایا اور وہ دس ہزار درہم انھیں دے دیئے۔

علمی بصیرت اور فقاہت کے اونچے درجے پر فائز تھیں۔ بڑے بڑے صحابہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر بعض نہایت مشکل اور پیچیدہ مسائل دریافت کرتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں ہم اصحاب محمد ﷺ کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی، جس کا حل ہم نے عائشہ سے دریافت کیا ہو اور ہمیں اس کے بارے میں معلومات نہ حاصل ہوئی ہوں۔ ہم نے جب بھی کسی عقدہ کشائی کے لئے ان کے باب عالی پر دستک دی، ہمیں ذہنی تسکین اور قلبی تسلی حاصل ہوئی۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: میں نے فقہ، طب اور شاعری میں حضرت عائشہ سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا، یہی عروہ اپنے باپ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ بسا اوقات حضرت عائشہ ساٹھ ساٹھ اور سو سو شعر کے قصیدے زبانی سنا دیا کرتی تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ جو ایک جلیل القدر تابعی تھے، کہتے ہیں:

میں نے حضرت عائشہ سے بڑھ کر سنت نبوی کا عالم، فقاہت دین کا ماہر اور آیات قرآن مجید کی شان نزول اور فرائض کا جاننے والا اور کسی کو نہیں پایا۔

عطا بن ابوالرباح کا قول ہے: حضرت عائشہ سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ ماہر مسائل اور سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں۔

مسروق جو مشہور تابعی ہیں، کہتے ہیں: بخدا میں نے بڑے بڑے صحابہ کو عائشہ سے فرائض و وراثت کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں: عائشہ تمام لوگوں سے زیادہ عالم تھیں۔ اکابر صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فصاحت و بلاغت میں بھی اونچا مقام رکھتی تھیں۔ ادب وخطابت میں بھی ان کا پایہ بلند تھا۔ کہتے ہیں اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا وہ تمام صحابہ سے ممتاز تھیں۔ ان کی بعض تقریریں ادب اور زور کلام کے اعتبار سے شاہ کار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں۔

جامع ترمذی میں موسیٰ بن طلحہ سے منقول ہے کہ میں نے عائشہ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔ بعض احادیث میں جہاں حضرت عائشہ کے اصل الفاظ مروی ہیں، ادب وحسن بیان نے بات کہیں سے کہیں پہنچا دی ہے۔ مثلاً آغاز وحی کے ضمن میں فرماتی ہیں۔

فمارای رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح

(آنحضرت جو خواب دیکھتے وہ سپیدہ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا)

آنحضرت پر جب کیفیت وحی طاری ہوتی تو جبین مبارک پر عرق کے قطرے ظاہر ہو جاتے۔ اس کیفیت کو حضرت عائشہ ان الفاظ میں ادا کرتی ہیں۔

مثل الجمان

(یعنی پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے)

واقعۂ افک میں انھیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ اس کا اظہار اس طرح کرتی ہیں۔

ما اکتحل بنوم

(میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا)

آل رسول اللہ ﷺ سے انتہائی محبت کرتی تھیں اور ان کی بے حد مداح تھیں۔ جامع ترمذی میں ہے، راوی کہتا ہے میری موجودگی میں حضرت عائشہ سے پوچھا

گیا کہ عورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت کس کو حاصل ہے؟ اور کون خاتون آنحضرت کو زیادہ عزیز تھیں؟

فرمایا: فاطمہ!

پھر سوال ہوا: مردوں میں سے یہ اعزاز کس کو حاصل ہے؟

کہا: فاطمہ کے شوہر علی کو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فہم مسائل میں نہایت بلند مرتبے پر فائز تھیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ''اہل خانہ مردے پر روتے ہیں تو اس سے مردے کو عذاب ہوتا ہے''۔ حضرت عائشہ نے یہ روایت سنی تو اسے ماننے سے انکار کردیا۔ فرمایا: اصل معاملہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک یہودی عورت کی میت پر اس کے اعزہ واقارب رو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ رو رہے ہیں اور اسے عذاب ہو رہا ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس کے غلط اعمال کی سزا اسے مل رہی ہے۔ پھر حضرت عائشہ نے فرمایا قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

ولا تزر وازرة وزر اخرى

(یعنی کوئی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا)

یہ نہیں کہ رونے کی وجہ سے اسے عذاب ہو رہا ہے، بلکہ اس میت کو اپنے ان گناہوں کا عذاب ہو رہا ہے جن کا ارتکاب دنیا میں اس سے ہوتا رہا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے نئے کپڑے منگوا کر پہنے اور فرمایا: نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرے گا اسی میں اٹھایا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے یہ واقعہ سنا تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ابوسعید پر رحم فرمائے لباس سے نبی ﷺ کی مراد اعمال ہے''۔

یعنی جس طرح کے اعمال کوئی شخص دنیا میں کرتا ہے، اسی طرح کے اعمال لے کر وہ قیامت کے روز قبر سے اٹھے گا۔ لباس سے وہ کپڑے مراد نہیں ہیں جو ہم دنیا میں پہنتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ نے سہ شنبہ کی رات ۱۷ رمضان ۵۸ ہجری کو ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ وصیت کے مطابق جنت البقیع میں جہاں دیگر ازواج مطہرات مدفون ہیں، انھیں دفن کیا گیا۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ان کی والدہ کا نام زینب تھا جو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ حضرت زینب بھی صحابیہ تھیں۔ ان کے بھائی اور باپ بھی صحابی تھے۔ حضرت حفصہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب قریش بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اس حساب سے یہ عمر میں آنحضرت ﷺ سے پینتیس سال چھوٹی ہیں۔ ان کا پہلا نکاح خاندان بنو سہم کے ایک فرد خنیس بن حذافہ سے ہوا تھا، اپنے والدین اور شوہر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ مدینہ پہنچ کر کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان پہلا معرکہ کارزار ۱۷ ررمضان المبارک ۲ ہجری کو بدر کے مقام پر گرم ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کا کافروں کے مقابلے میں عظیم الشان فتح حاصل ہوئی اور ساتھ ہی کچھ مسلمان شہید اور کچھ زخمی ہوئے۔ حضرت حفصہ کے شوہر حضرت خنیس رضی اللہ عنہ بھی جنگ بدر کے زخمیوں میں شامل تھے۔ ان کا زخم اتنا شدید اور گہرا تھا کہ شہادت پر منتج ہوا۔ اس وقت حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔

جوان بیٹی کی بیوگی پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس کے نکاح ثانی کی فکر دامن گیر ہوئی اور اس کے لئے کوشش کرنے لگے۔ اس وقت حضرت عثمان بن عفان کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ انتقال کر چکی تھیں، اس لئے وہ سب سے پہلے حضرت عثمان سے ملے اور ان سے نکاح کی گفتگو شروع کی، مگر انھوں نے انکار کر دیا

اور کہا میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور حفصہ کو اپنے حبالۂ عقد میں لے لینے کی خواہش کا اظہار کیا، وہ بالکل خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر کی اس عدم توجہی کا بہت احساس ہوا۔ حضرت عمر اس مسئلے کے بارے میں ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی اور نکاح ہوگیا۔ آنحضرت سے حضرت حفصہ کا نکاح ۳ ہجری میں ہوا۔

بات یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر کے انداز گفتگو اور بے التفاتی سے مایوس ہو کر حضرت عمر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا:

کیا حفصہ کا نکاح ایسے شخص سے نہ ہو جائے جو عثمان سے بہتر ہو اور عثمان کو ایسی بیوی نہ مل جائے جو حفصہ سے بہتر ہو۔

اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عثمان کا نکاح خود اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے کر دیا جائے اور حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد میں آجائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نکاح ہو چکا تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا آپ نے مجھے حفصہ سے نکاح کے بارے میں کہا تو میں خاموش رہا تھا۔ اس کا آپ پر ناگوار اثر پڑا۔ اس خاموشی کی وجہ صرف یہ تھی کہ خود رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے حفصہ کا ذکر کیا تھا اور میں آپ کا یہ راز ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر آنحضرت نے اس خیال کا اظہار نہ فرمایا ہوتا تو میں آپ کو مایوس نہ کرتا۔

حضرت حفصہ کچھ تیز مزاج تھیں، جس بات کو صحیح سمجھتیں اس کے لئے خود رسول اللہ ﷺ سے بھی تیزی سے گفتگو کرتی تھیں۔ صحیح بخاری میں حضرت علی سے روایت ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی حیثیت نہ دیتے تھے۔ اسلام نے

ان کو بڑا اونچا درجہ دیا اور قرآن حکیم میں ان کے بارے میں آیات نازل ہوئی تو ہمیں ان کی قدر ومنزلت کا علم ہوا۔ حضرت عمر سے اسی روایت میں مزید منقول ہے کہ ایک روز میری بیوی نے کسی معاملے میں کوئی مشورہ دیا، میں نے اسے سخت لہجے میں جواب دیا:

تم کون ہوتی ہو مجھے رائے اور مشورہ دینے والی؟

اس نے کہا: ابن خطاب! تم کو میری یہ چھوٹی سی بات بھی ناگوار گزری حالانکہ خود تمہاری بیٹی رسول اللہ ﷺ کو برابر کا جواب دیتی ہے۔

حضرت عمر کہتے ہیں یہ سن کر مجھے بڑا افسوس ہوا۔ میں غصے کی حالت میں اٹھا اور حفصہ کے پاس گیا۔ میں نے جاتے ہی کہا بیٹی! میں نے یہ افسوس ناک بات سنی ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے تیز مزاجی کا مظاہرہ کرتی اور برابر کا جواب دیتی ہو۔

بولیں جی ہاں! ہم گھریلو معاملات میں جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اس کے لئے پوری صفائی سے گفتگو کرتے ہیں۔

میں نے کہا: خبردار! آنحضرت کے سامنے لب کشائی مت کرو، میں تمہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہوں۔ تم عائشہ کی ریس نہ کرو، اس کا باپ تمہارے باپ سے بہتر ہے اور وہ تم سے بہتر ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پیکر زہد وتقویٰ اور اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ تھیں۔ قائمۃ اللیل اور صائمۃ النہار تھیں، اصابہ کی روایت کے مطابق وہ وفات کے وقت بھی روزہ سے تھیں۔ اختلاف ونزاع سے سخت نفرت کرتی تھیں ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے شاگردوں اور ان سے سماع حدیث کرنے والوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ ان خوش بخت حضرات میں خود ان کے بھائی اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر، بھتیجے حمزہ بن عبداللہ، صفیہ بنت ابوعبید (جو ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر کی بیوی تھیں) حارثہ بن وہب، مطلب بن وداعہ، ام مبشر انصاریہ اور حارث بن

عبدالرحمن رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔حضرت حفصہ سے ساٹھ احادیث مروی ہیں، جوانھوں نے رسول اللہ ﷺ اوراپنے والدمحترم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیں۔ان میں سے چارمشترکہ طور پرصحیح بخاری اورصحیح مسلم میں، چھےصرف صحیح مسلم میں اور باقی احادیث کی دوسری کتابوں میں مندرج ہیں۔

علم وفضل،فہم وبصیرت اوراستنباط وفقاہت میں حضرت حفصہ کا مرتبہ بڑا بلند تھا۔

انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں شعبان ۴۵ ہجری کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔اس زمانے میں مدینہ منورہ کے گورنرمروان تھے،نماز جنازہ انہی نے پڑھائی۔کچھ دورتک جنازےکوکندھابھی دیا۔اس کے بعدحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جنازہ قبرتک لے گئے۔

حضرت حفصہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمراوربھتیجوں عاصم،سالم،عبداللہ اورحمزہ نے میت کوقبرمیں اتارا۔

حضرت حفصہ کا سال وفات وہی (۴۵ھ) ہے،جس سال کہ معاویہ بن خدیج نے افریقہ پرحملہ کرکے اسے فتح کیا تھا۔یہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان کا عہد خلافت تھا۔اس سال دوسری مرتبہ افریقہ فتح ہوا تھا۔پہلی مرتبہ یہ علاقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں ۲۷ رہجری کوفتح کیا گیا تھا۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام زینب اور ام المساکین لقب تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبدمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

ازواج مطہرات میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو بعض وجوہ کی بنا پر نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ وہ نہایت نرم دل، منکسر المزاج اور متواضع تھیں۔ مسکینوں، تنگ دستوں، غریبوں اور ناداروں کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ خدا ترسی اور رحم دلی ان کے امتیازی اوصاف تھے۔ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم گردانتی تھیں۔ کسی کی تکلیف کو دیکھ کر تڑپ اٹھتیں اور اس کی مدد کے لئے ہر ممکن ذرائع عمل میں لاتیں۔ ان کے نزدیک دوسرے کے مفاد کو اپنے مفاد پر ترجیح حاصل تھی۔

حضرت زینب بنت خزیمہ کا پہلا نکاح کس سے ہوا؟ اس باب میں کتب سیرت میں خاصا اختلاف ہے۔ ایک روایت جو زیادہ قرین فہم ہے، یہ ہے کہ پہلے یہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں وہ جلیل القدر صحابی اور بہت بڑے شجاع تھے۔ جنگ احد میں جو ۳ ہجری میں لڑی گئی تھی، شریک تھے اور اسی جنگ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حلقۂ زوجیت میں آنے کے شرف سے سرفراز ہوئیں۔ یہ الاستیعاب اور اسدالغابۃ کی روایت ہے۔

دوسری روایت طبقات ابن سعد کی ہے جس پر قریب قریب اس کا اصرار ہے،

وہ روایت یہ ہے کہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح طفیل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا تھا۔ اس نے کسی وجہ سے طلاق دے دی تو حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ ان خوش بخت لوگوں میں سے ہیں جنھیں جنگ بدر میں شریک ہونے کا اعزاز عطا ہوا۔ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی جماعت میں شمولیت کا شرف حاصل ہوا۔

لیکن روایات کے پورے سلسلے کو پیش نگاہ رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت دوسری روایت کے پہلی روایت زیادہ صحیح اور قابل اعتماد ہے یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح طفیل بن حارث اور اس کے بعد دوسرا حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے نہیں ہوا بلکہ پہلے آپ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ وہ ۳ ہجری میں جنگ احد میں شہید ہو گئے تو اسی سال رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد میں آ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ سے عقد کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔ جنگ احد شوال ۳ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس نکاح کا مہر بارہ اوقیہ مقرر ہوا تھا۔

آنحضرت ﷺ سے نکاح پر ابھی تین مہینے گزر رہے تھے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ ان کی وفات ربیع الاول کے آخری دنوں میں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ کے بعد حضرت زینب بنت خزیمہ پہلی زوجہ مکرمہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ حیات میں وفات پائی۔ ان دونوں کے علاوہ باقی تمام ازواج مطہرات کا انتقال رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ہوا۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام ہند اور کنیت ام سلمہ تھی۔ قریش کے خاندان بنومخزوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ والد کا نام ابوامیہ تھا، جو مکہ کے ایک مشہور، فیاض اور مخیّر بزرگ تھے۔ ان کی فیاضی اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ سفر میں جاتے تو پورے قافلے کے اخراجات خود برداشت کرتے۔ اسی بنا پر وہ ''زادالراکب'' کے لقب سے ملقب تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چونکہ ایک فراخ دل، وسیع حوصلہ اور فیاض باپ کے زیر سایہ تربیت پائی تھی اس لئے وہ بھی انہی اوصاف سے متصف تھیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا تھا، جو زیادہ تر ابوسلمہ کے نام سے معروف تھے۔ حضرت ام سلمہ کے چچازاد اور رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ ان دونوں میاں بیوی کا شمار ان خوش بخت حضرات میں ہوتا ہے جو اسلام کے دور اول ہی میں نعمت اسلام سے بہرہ مند ہو گئے تھے۔ ان دونوں نے مکے سے حبشہ کی ہجرت کا بھی شرف حاصل کیا تھا۔ حبشہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد یہ پھر واپس مکے آ گئے اور یہاں سے مدینہ کو ہجرت کی۔ کہتے ہیں یہ پہلی خاتون ہیں جو مکے سے ہجرت کر کے مدینے آئیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ہجرت مدینہ کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ خود ہی بیان کرتی ہیں کہ اپنے شوہر ابوسلمہ کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا۔ ان کا ایک کم عمر لڑکا سلمہ بھی ساتھ تھا۔ تینوں مکے سے عازم مدینہ ہوئے۔ اتنے میں حضرت ام سلمہ کے خاندان کے لوگوں کو معلوم ہو گیا، وہ بھاگتے ہوئے آئے اور حضرت ام سلمہ کو شوہر سے چھین کر اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت ابوسلمہ تنہا مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ ادھر حضرت ابوسلمہ کے

خاندان کو واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ ان کے بیٹے (سلمہ) کو لے گئے۔ ان کہنا یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ام سلمہ کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ اب بیوی، خاوند اور بیٹا تینوں ایک دوسرے سے جدا ہو چکے تھے اور تینوں نہایت پریشان تھے۔ حضرت ام سلمہ سب سے زیادہ بے حال تھیں۔ وہ روزانہ بے قراری کے عالم میں ایک مقام ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتیں۔ یہ ایک ٹیلہ تھا، جس پر یہ گریہ وزاری کرتیں۔ عرصے تک ان کا یہی معمول رہا، مگر کسی کو ذرا ترس نہ آیا۔ ایک روز ابطح سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاندان کے ایک شخص کا گزر ہوا۔ اس نے ام سلمہ کو اس انداز سے روتے دیکھا تو انتہائی مضطرب ہوا۔ وہ گھر آیا اور لوگوں سے کہا اس بے بس اور ناتواں عورت پر کیوں ظلم ڈھاتے ہو۔ اس کا بچہ اس کے حوالے کرو اور اسے اپنے شوہر کے پاس مدینے جانے دو۔

اس شخص نے یہ الفاظ اس انداز سے کہے کہ سب کو ترس آ گیا۔ بچہ ان کے حوالے کر دیا گیا اور مدینے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اب حضرت ام سلمہ نے بچے کو گود میں لیا، اونٹ پر سوار ہوئیں اور مدینہ کو روانہ ہو گئیں۔ بالکل تنہا تھیں۔ کوئی ساتھ نہ تھا۔ تنعیم کے مقام پر پہنچیں تو بیت اللہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ نے دیکھ لیا۔ وہ ایک عورت کو اس طرح تنہا اور بے سہارا جاتے دیکھ کر دوڑے ہوئے آئے اور بولے:

کون ہو اور کہاں جا رہی ہو؟

حضرت ام سلمہ نے کہا: ابوسلمہ کی بیوی ام سلمہ ہوں اور مدینے جا رہی ہوں:

کیا کوئی ساتھ ہے؟

بولیں خدا اور یہ بچہ۔

عثمان نے کہا: تم اکیلی نہیں جا سکتی، میں تمہاری مدد کروں گا۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا، اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینے کو روانہ ہو گیا۔ حضرت ام سلمہ کی اپنی روایت ہے کہ راستے میں ہمیں کہیں ٹھہرنا ہوتا تو عثمان اونٹ کو بٹھا کر خود کسی

درخت کے نیچے چلا جاتا اور میں اونٹ سے اتر پڑتی۔ روانگی کا وقت ہوتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر کئی قدم پیچھے ہٹ جاتا اور میں سوار ہو جاتی۔ اسی طرح وہ مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینے کے قریب پہنچ گیا۔ قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو کہا اس جگہ کا نام قبا ہے اور تمہارے شوہر یہیں مقیم ہیں۔ان کے پاس چلی جاؤ۔

عثمان نے یہ لفظ کہے اور اسی وقت مکے کو واپس ہو گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے عثمان کو بہت ہی باحیا، انتہائی تقویٰ شعار اور پیکر شرافت پایا۔ میں نے کسی شخص کو اس سے زیادہ شریف النفس نہیں دیکھا۔

قبا پہنچیں تو لوگ بہت حیران ہوئے اور نہایت تعجب سے پوچھا تم اکیلی مکہ سے مدینہ کیسے پہنچ گئیں؟ جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ ابوامیہ کی بیٹی ہیں تو اور بھی متعجب ہوئے، کیونکہ ان کے والد کی سخاوت وفیاضی میں تمام عرب میں شہرت تھی اور مدینہ کے لوگ بھی ان کے مداح تھے۔

مدینہ پہنچ کر کچھ عرصہ میاں بیوی ایک ساتھ رہے۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے بہادر اور شہ سوار تھے۔ وہ بدر اور احد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ جنگ احد میں زخمی ہو گئے تھے۔ یہ زخم اتنے شدید تھے کہ ان سے جاں بر نہ ہو سکے اور جمادی الاخریٰ ۴ ہجری میں زخموں کی شدت اور تکلیف سے وفات پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابوسلمہ کی وفات کی خبر پہنچی تو تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ گھر میں کہرام بپا تھا اور حضرت ام سلمہ انتہائی بے حال تھیں۔ آنحضرت حضرت ابوسلمہ کی میت پر تشریف لائے۔ حضرت ام سلمہ کو تسلی اور تلقین صبر کی۔ وفات کے وقت حضرت ابوسلمہ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آنحضرت نے اپنے ہاتھ سے بند کیں اور نہایت اہتمام سے نماز جنازہ پڑھائی۔ عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن حضرت ام سلمہ نے انکار کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر

فاروق کی معرفت پیغام نکاح بھیجا، حضرت ام سلمہ نے کہا: میری چند باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے:

۱۔ میں انتہائی غیرمند عورت ہوں۔

۲۔ عیال دار ہوں......اور

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ میری عمر زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سب چیزوں کو گوارا فرمایا۔ حضرت ام سلمہ نے اپنے بیٹے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اکرم سے میرا نکاح کرو۔ شوال ۴ ہجری کے آخری دنوں میں یہ تقریب نکاح انجام پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ام سلمہ کو دو چکیاں، ایک گھڑا اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، عنایت فرمایا۔ دیگر ازواجِ مطہرات کے پاس بھی یہی سامان تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی بہادر، عاقل وفہیم اور اصابت رائے کی مالک تھیں۔ اس ضمن میں مختصر الفاظ میں چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

غزوۂ خندق میں اگرچہ خود شریک نہ تھیں، لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس قدر قریب تھیں کہ ساری گفتگو اچھی طرح سن رہی تھیں۔ فرماتی ہیں مجھے وہ وقت ٹھیک طرح سے یاد ہے، جب آنحضرت ﷺ کا سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے۔

بنوقریظہ کے یہودیوں کا محاصرہ ۵ ہجری میں ہوا۔ یہودیوں سے بات چیت کے لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ دوران گفتگو میں حضرت ابولبابہ نے یہودیوں کو ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ تمہیں قتل کردیا جائے گا۔ لیکن بعد میں اس اشارے کو افشاء راز سمجھ کو وہ اس درجہ نادم ہوئے کہ اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ لیا۔ چند روز اسی کیفیت میں رہے۔ پھر توبہ قبول ہوئی۔ رسول ﷺ

رات کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے۔

حضرت ام سلمہ نے عرض کیا: اللہ آپ کو ہمیشہ خنداں وفرحاں رکھے۔ اس وقت ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا: ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی۔

عرض کیا: یارسول اللہ میں انھیں یہ خوش خبری سنادوں؟

فرمایا اگر چاہو تو سنادو۔

حضرت ام سلمہ اپنے مکان کے دروازے پر کھڑی ہوگئیں اور اونچی آواز سے پکار کر کہا: ابولبابہ مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہوگئی، جوں ہی یہ آواز فضا میں گونجی اور لوگوں کے کانوں میں پڑی۔ پورا مدینہ اکٹھا ہوگیا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ام سلمہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔ صلح کے بعد آنحضرت نے لوگوں کو قربانیاں کرنے کا حکم دیا۔ لیکن لوگ اس قدر افسردہ اور دل شکستہ تھے کہ آنحضرت کی آواز پر ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا۔ قربانیاں کرنے کا حکم آپ نے تین مرتبہ دیا مگر لوگ بالکل خاموش رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معاہدے کی تمام شرائط بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں اور وہ اس سے مغموم ومتاثر تھے۔ اتنے میں آنحضرت اٹھے اور حضرت ام سلمہ کے خیمے میں تشریف لے گئے اور ان سے لوگوں کی خاموشی کی شکایت کی۔ انھوں نے کہا آپ کسی سے کچھ نہ کہیں۔ بس صرف یہ کریں کہ باہر نکل جائیں، خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں۔ چنانچہ آپ نے کسی کو کچھ کہنے کی بجائے خود یہ کام شروع کردیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگوں نے وہی کچھ کیا جو حضور نے کیا اور اس میں اس درجہ تیزی کا ثبوت دیا کہ قربانیوں اور حجامت کے لئے لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے۔

۹ہجری میں واقعہ ایلاء پیش آیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹا اور حضرت ام سلمہ کے پاس بھی آئے۔حضرت ام سلمہ ان کی قریب کی رشتہ دار تھیں۔نہایت تیزی سے بولیں۔تم ہر معاملے میں دخل دینے لگے ہو، حتی کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی بیویوں کے معاملات میں بھی مداخلت کرتے ہو۔یہ جواب نہایت سخت تھا۔حضرت عمر خاموش ہو گئے اور اٹھ کر چلے گئے۔

جنگ خیبر میں حضرت ام سلمہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھیں۔اس جنگ میں انھوں نے مجاہدین کی خدمت انجام دی۔

آیت تطہیر جس میں اہل بیت رضی اللہ عنہم کی طہارت اور ان کے تقدس کا ذکر کیا گیا ہے، حضرت ام سلمہ کے مکان پر نازل ہوئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے حضرت ام سلمہ نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت تشریف لائے ہیں، بہت پریشان ہیں، سر اور ریش مبارک غبار آلود ہیں۔سوال کیا یارسول اللہ کیا بات ہے؟ فرمایا حسین کے مقتل سے واپس آرہا ہوں۔

حضرت ام سلمہ بیدار ہوئیں تو آنکھیں اشک بار تھیں اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔اہل عراق نے حسین کو قتل کیا۔خدا انھیں قتل کرے،انھوں نے حسین کو تکالیف پہنچائی خدا ان پر لعنت کرے۔

حضرت ام سلمہ بڑی عالمہ اور محدثہ تھیں۔ان سے روایت کرنے والوں میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور تابعین شامل ہیں۔بہت سی روایات ان سے مروی ہیں۔اصابہ میں ہے کہ حضرت ام سلمہ اصابت رائے،فقہ واجتہاد اور علم و تدبر میں سب پر فوقیت رکھتی تھیں۔قرآن مجید بالکل اسی لہجے اور ترتیل سے پڑھتی تھیں جس طرح رسول اللہ ﷺ تلاوت فرماتے تھے۔ہر مہینے تین دن سوموار، جمعرات، جمعے کو روزہ رکھتی تھیں۔نہایت فیاض تھیں۔سائل کو دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹاتی تھیں۔غریب کی مدد

کرتی تھیں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر سختی سے پابند تھیں۔ ان کے واقعات وحالات کی فہرست طویل بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

حضرت ام سلمہ کی وفات کب ہوئی؟ اس میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ ہجری میں (جس سال حرہ کا واقعہ پیش آیا) ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ اس زمانے میں ولید بن عتبہ مدینے کا گورنر تھا اور گورنر ہی نماز جنازہ پڑھاتا تھا، لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ ان کی نماز جنازہ ولید نہ پڑھائے، اس لئے ان کی وفات کا سنتے ہی وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور نماز جنازہ کے لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ان کا نام زینب اور کنیت ام الحکیم ہے، قبیلہ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ والد کا نام جحش اور والدہ کا امیمہ تھا جو عبدالمطلب کی بیٹی، حضرت عبداللہ کی حقیقی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ اس رشتے کی رو سے حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیری بہن ہوئیں۔ حضرت زینب اسلام اور ہجرت کے اعتبار سے السابقون الاولون میں شامل ہیں۔

ایک شخص زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام بھی تھے اور آپ کے متبنیٰ بھی۔ ان میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ کتاب وسنت کے مسائل کو خوب سمجھتے اور اسلامی احکام سے بہت آگاہ تھے۔ حضرت زینب کی تربیت آنحضرت کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ آپ نے ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیا۔ اس نکاح سے آپ کے سامنے دو مقصد تھے۔

ایک یہ کہ اسلام کے نزدیک ذات برادری کا تفوق کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ زید اگر چہ آزاد کردہ غلام ہیں اور حضرت زینب قریش کے اونچے طبقے سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن اسلام نے اس امتیاز کو ختم کر دیا ہے اور ان دونوں کے درمیان اونچ نیچ کی جو دیواریں حائل تھیں، وہ قبول اسلام کے بعد مسمار ہوگئی ہیں۔

دوسرا یہ کہ آنحضرت زینب کو اسلامی احکام سے پوری طرح روشناس کرانا چاہتے تھے اور خواتین قریش میں ان کے ذریعے اسلام کی تعلیم وتبلیغ کے خواہاں تھے۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ حضرت زید چونکہ مسائل شرعی سے اچھی طرح باخبر ہیں، لہٰذا وہ اپنی

بیوی کو بھی اس کی تعلیم دیں گے۔

نکاح ہو گیا۔ ایک سال تک میاں بیوی ایک ساتھ رہے، لیکن اس کے بعد اختلاف پیدا ہو گیا۔ آنحضرت نے بہت کوشش کی کہ طلاق تک نوبت نہ آئے، مگر اختلاف کی شدت نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ معاملہ تفریق اور طلاق تک پہنچ گیا۔

جب مصالحت کی کوئی صورت باقی نہ رہی اور دونوں میں جدائی پیدا ہو گئی تو کچھ عرصے کے بعد آنحضرت نے پیغام نکاح بھیجا۔ حضرت زینب کچھ متامل ہوئیں، کیونکہ ان کے پہلے شوہر زید بن حارثہ آنحضرت کے متبنیٰ تھے اور لوگ انھیں زید بن محمد کے نام سے پکارتے تھے۔ عرب جس شخص کو متبنیٰ قرار دے لیتے تھے اسے حقیقی بیٹا ہی سمجھتے تھے اور اس کی بیوی سے نکاح نہیں کرتے تھے، لہٰذا زینب نے کہا اللہ کے حکم کا انتظار کرنا چاہئے۔ خود آنحضرت بھی ان سے نکاح کرنے میں قدرے متامل تھے۔ قرآن مجید کی آیت نازل ہوئی تو آپ نے نکاح کر لیا۔ قرآن مجید نے یہ بھی وضاحت فرما دی کہ آنحضرت تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، یعنی آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے، جب اولاد نرینہ نہیں تو ظاہر ہے کہ زید بن حارثہ آپ کے بیٹے نہ ہوئے اور ان کی مطلقہ بیوی سے نکاح حرام نہ ٹھہرا۔ یہ واقعہ ماہ ذیقعدہ ۵ ہجری کا ہے۔

نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ولیمے کا اہتمام کیا، جس میں آپ نے گوشت روٹی کا انتظام فرمایا۔ ولیمہ نہایت شان سے ہوا اور آدمی بھیج بھیج کر تین سو آدمیوں کو مدعو کیا۔ کھانا ہو چکا تو اکثر لوگ بدستور بیٹھے رہے اور آپس میں باتیں کرتے رہے، جس سے آنحضرت کو بڑی ذہنی کوفت ہوئی، آپ بار بار اٹھتے اور ادھر ادھر جاتے تھے، لیکن اخلاقاً انھیں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ چھوٹا سا مکان تھا جس میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بیٹھی تھیں۔ وہ بھی پریشان ہوئیں اور دیوار کی طرف منہ کر کے خاموشی سے بیٹھی رہیں۔ اس پر پردے کی آیت یعنی آیت حجاب نازل ہوئی، جس میں قران نے مندرجہ ذیل احکام دیئے۔

۱۔ پردے کا حکم دیا۔

۲۔ بلا اجازت آنحضرت کے مکان پر آنے سے روک دیا۔

۳۔ جب کھانا ہو چکے تو فوراً واپس چلے جانے کا حکم دیا۔

۴۔ ازواج مطہرات سے اگر کسی کو کوئی سوال کرنا ہو یا کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کی اوٹ میں کھڑے رہنے کی تاکید فرمائی۔

۵۔ متبنیٰ کے لئے بیٹے کی حیثیت ختم ہوئی۔

اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت نے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو بلا اجازت اندر آنے کی ممانعت فرمادی کہ قرآن کی اس آیت کا تقاضا یہی ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے اس نکاح کے بارے میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وہ اپنے نکاح کی خصوصیات بیان کیا کرتی تھیں اور اس پر فخر کرتی تھیں کہ دیگر ازواج مطہرات کے نکاح آنحضرت سے ان کے والدین یا بھائیوں نے کئے مگر میرا نکاح براہ راست اللہ کے حکم سے ہوا۔ آنحضرت نے میرے نکاح کے ولیمے میں کثرت سے لوگوں کو دعوت دی اور گوشت روٹی کا اہتمام کیا۔ اس نکاح کے نتیجے میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ متبنیٰ کو عربوں میں جو بیٹے کی حیثیت دی جاتی تھی اس کا خاتمہ ہوا۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کا ولیمہ اس شاندار طریقے سے نہیں کیا جس طرح سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کیا۔ وہ اس باب میں تمام ازواج مطہرات سے ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ازواج رسول میں اگر کوئی میری برابری اور ہمسری کا دعویٰ کر سکتی ہیں تو وہ حضرت زینب ہیں۔ یہی وہ معزز خاتون ہیں جن کی وجہ سے بہت سی اصلاحات ہوئیں اور پرانی رسوم کی جڑیں کٹیں۔ غلام اور آزاد میں مساوات پیدا ہوئی اور خود خاندان بنو ہاشم میں اس مساوات کی بنیاد رکھی گئی۔ ان کی وجہ سے حالات بالکل بدل گئے اور حضور نے اصلاح احوال کے لئے اللہ کے حکم کے

مطابق کئی اہم قدم اٹھائے۔

حضرت عائشہ اور حضرت زینب کے درمیان بہ تقاضائے بشریت بعض امور میں کئی بار اختلاف پیدا ہو جاتا تھا اور معاملہ کش مکش کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔لیکن حضرت زینب کسی قسم کا غصہ اور خفگی دل میں نہ رہنے دیتیں۔ جب حضرت عائشہ کے بارے میں واقعہ افک پیش آیا تو ان سے پوچھا گیا کہ عائشہ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: میں عائشہ کے بارے میں سوائے اس کے کچھ نہیں جانتی کہ وہ بہت بلند اخلاق اور بہترین خاتون ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ اس سوال کے جواب میں حضرت زینب نے حضرت عائشہ کی بہت تعریف کی۔

حضرت زینب خود اپنے ہاتھ سے کام کرتی تھیں۔ وہ چمڑے کی دباغت کا فن جانتی تھیں اور جو کچھ اس سے آمدنی ہوتی وہ سب مسکینوں، یتیموں اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دیتیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں فیاضی اور رحم دلی میں زینب کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ طبقات ابن سعد میں منقول ہے کہ وہ متوکل علی اللہ، فراخ دست، قانع اور تنگ دستوں کی پشت پناہ تھیں اور یتامی و مساکین کی بے حد مدد کرتی تھیں۔ ان کی فیاضی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو بارہ ہزار درہم سالانہ بیت المال سے دیتے تھے، اور وہ سب خرچ کر دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے یہ رقم ان کی خدمت میں بھیجی تو فرمایا:

اے اللہ! آئندہ یہ مال مجھ تک نہ پہنچنے پائے کیونکہ یہ فتنہ ہے۔

پھر یہ ساری رقم مستحقین میں تقسیم فرما دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہا کو اس کا علم ہوا تو حاضر خدمت ہوئے۔ سلام کیا۔ دیر تک دروازے پر کھڑے رہے اور عرض کیا، آپ نے جو کچھ فرمایا ہے مجھے اس کی اطلاع ہوگئی ہے۔ آپ نے وہ سارا مال ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ آپ کے پاس تو کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ واپس جا کر اخراجات کے لئے ایک ہزار درہم اور بھیجے، وہ بھی تقسیم کر دیئے۔

خود رسول اللہ ﷺ کے دل میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا بڑا احترام تھا۔ ایک دفعہ حضور مہاجرین میں کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے کہ حضرت زینب نے کوئی بات کہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، انھوں نے کچھ کہا تو حضرت زینب نے فرمایا: آپ کو اس معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔

آنحضرت نے فرمایا: عمر انھیں کچھ نہ کہو۔ یہ عابدہ وزاہدہ اور خاشعہ ومتوکلہ خاتون ہیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: دین کے معاملے میں، تقوی وطہارت میں، صداقت ومعاملہ فہمی میں، صلہ رحمی میں، سخاوت اور ایثار نفس میں، زینب سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی۔

الاستیعاب میں علامہ ابن عبدالبر نے ان کے بارے میں حضرت عائشہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: شرعی اور دینی معاملات میں حضرت زینب سب سے بڑھی ہوئی تھیں۔ دوسری جگہ فرماتی ہیں اللہ زینب پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے، وہ بلاشبہ دنیا کی بے مثال خاتون تھیں۔ خود اللہ نے اپنے پیغمبر سے اس کا نکاح کیا اور ان کی وجہ سے قرآن کی آیات نازل ہوئیں اور بہت سے احکام بارگاہ الٰہی سے بھیجے گئے۔

۲۰ ہجری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انتقال کیا۔ اسی سال مصر فتح ہوا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۵۳ سال کی تھی۔ واقدی نے پچاس سال کی عمر لکھی ہے۔ وہ اپنی تمام آمدنی ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ ان کے پاس صرف ایک مکان تھا جس میں رہائش پذیر تھیں۔ ولید بن عبدالملک نے پچاس ہزار درہم میں یہ مکان بھی خرید لیا تھا اور اسے مسجد نبوی میں ملا دیا تھا۔

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ وفات سے قبل حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ وصیت کی تھی کہ میں نے اپنا کفن خود ہی تیار کیا ہے، ممکن ہے حضرت عمر میرے لئے کفن بھیجیں اگر انھوں نے بھیجا تو ایک کفن صدقے میں دے دینا۔

نماز جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انھوں نے یہ بھی وصیت کی تھی کہ مجھے اسی چارپائی پر قبر تک پہنچایا جائے جس میں رسول اللہ ﷺ کو پہنچایا گیا تھا۔ اس سے پہلے صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا تھا۔

ان کی وفات کے دن سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی، گرمی کی شدت کی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہاں خیمہ نصب کرا دیا تھا۔ منقول ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو جنت البقیع میں نصب کیا گیا۔

دفن سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کو پیغام بھجوا کر دریافت کیا کہ حضرت زینب کو قبر میں کون اتارے؟ جواب آیا کہ ان کی زندگی میں جو لوگ ان کے پاس آتے تھے، وہی قبر میں اتاریں، چنانچہ ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش، اسامہ بن زید، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش اور محمد بن طلحہ نے ان کو قبر میں اتارا۔ یہ سب حضرات ان کے رشتے دار تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:
آج یہ نیک بخت خاتون رخصت ہوگئیں اور یتیموں اور بیوہ عورتوں کو پریشان اور بے چین کر گئیں۔

حضرت زینب بنت جحش سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں، ان کے راویوں میں حضرت ام حبیبہ اور زینب بنت ابی سلمہ وغیرہ شامل ہیں۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قبیلہ بنوخزاعہ کے خاندان بنومصطلق سے تعلق رکھتی تھیں ۔ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:

جویریہ بنت حارث بن ابوضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن عمرو۔

حضرت جویریہ کے والد حارث بن ابوضرار خاندان بنومصطلق کے سردار تھے۔حضرت جویریہ کا پہلا نکاح ان کے اپنے ہی قبیلے کے ایک شخص مسافع بن صفوان سے ہوا تھا جوذی شفر کے نام سے معروف تھا۔

حضرت جویریہ کے والد حارث اور شوہر مسافع چونکہ اسلام کے شدید ترین دشمن اور مسلمانوں کے سخت مخالف تھے اس لئے حارث قریش کی انگیخت پر یا از خود مدینے پر حملے کے لئے کمربستہ ہوا۔رسول اللہ ﷺ کو بھی اطلاع مل گئی مگر آپ نے حقیقت حال معلوم کرنے کی غرض سے حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی کو بھیجا۔انھوں نے واپس آ کر بتایا کہ یہ خبر صحیح ہے اور حارث فی الواقع حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو جمع کیا اور جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ چنانچہ شعبان ۵ ہجری کو مسلمانوں کی فوج مدینہ سے مریسیع کی جانب روانہ ہوئی۔مریسیع ایک مقام ہے جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل کی مسافت پر واقع ہے۔مسلمان فوج نے اسی مقام پر قیام کیا۔حارث مسلمانوں کی جوابی نقل وحرکت سے پہلی ہی مطلع ہو چکا تھا اور اس کے ساتھی بھی پوری صورت حال سے باخبر تھے،اس لئے حارث کی تمام فوج منتشر ہوگئی اور خود حارث بھی خوف زدہ ہوکر کسی طرف بھاگ گیا،لیکن مریسیع کی آبادی مقابلے پر اتر آئی۔ وہ لوگ گھروں سے

نکل آئے اور مسلمانون کے خلاف صف بستہ ہوگئے۔ دیر تک وہ لوگ مسلمانوں پر تیر اندازی کرتے رہے۔ پہلے تو مسلمان کچھ خاموش سے رہے، مگر بعد میں ایک دم حملہ آور ہوئے، جس سے اہل مریسیع کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے جس کے نتیجے میں ان کے گیارہ آدمی مارے گئے اور تقریبا چھ سو آدمی گرفتار ہوئے، مال غنیمت میں دو ہزار اونٹوں اور پانچ ہزار بکریوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔

مریسیع کی لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہ بھی شامل تھیں اور یہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے تھے۔ جویریہ جو خاندان مصطلق کے رئیس حارث بن ابوضرار کی بیٹی تھی، حضرت ثابت بن قیس کے حصے میں آئی۔ جویریہ کے لئے بحیثیت لونڈی کے زندگی بسر کرنا بڑا مشکل تھا، چنانچہ انھوں نے ثابت سے ''مکاتبت'' کی درخواست کی یعنی ان سے کہا کہ مجھ سے کچھ رقم لی جائے اور مجھے چھوڑ دیا جائے، حضرت ثابت نے یہ درخواست قبول کر لی اور کہا کہ اگر وہ نو اوقیہ سونا ادا کر دے تو اسے رہا کیا جاسکتا ہے۔

اس سے آگے سیرت کی کتابوں میں جو روایات منقول ہیں، ان میں قدرے اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ جویریہ کے مالک حضرت ثابت بن قیس کچھ سونا لے کر ان کی رہائی پر رضامند ہوگئے تو اب جویریہ کو اپنی رہائی کے لئے روپے کی ضرورت پڑی۔ وہ خود تو تہی دست تھیں۔ اس لئے کچھ لوگوں سے اعانت کی طالب ہوئیں۔ اس سلسلے میں آنحضرت کی خدمت اقدس میں بھی حاضر ہوئیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب امداد ہوئیں تو تمام رقم خود آنحضرت ہی نے ادا کر دی اور ان سے شادی کر لی۔ تیسری روایت زیادہ واضح اور قرین فہم ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے باپ حارث بن ابوضرار کا شمار روسائے عرب میں ہوتا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کی گرفتاری سے شدید متاثر ہوا اور آنحضرت کی خدمت میں آیا۔ اس

نے عرض کی کہ میں عرب کا ایک سرکردہ آدمی ہوں۔ میرا مقام ومرتبہ اور میری بیٹی کی عزت وآبرو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ کسی کی کنیز بن کر رہے اور اس طرح ذلت کی زندگی بسر کرے۔ میں اپنے قبیلے کا سردار اور عرب کا سربرآوردہ شخص ہوں۔ آپ میری عزت کا احساس کرتے ہوئے میری بیٹی کو آزاد کردیں۔

حضور نے فرمایا: کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس معاملے کو خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے؟

چنانچہ حارث جویریہ کے پاس گیا اور کہا کہ مسلمانوں کے پیغمبر نے معاملے کو خود تیری ہی مرضی پر چھوڑ دیا ہے اب جو تم کہو کرلیا جائے، لیکن اتنی بات یاد رکھو کہ مجھ کو ذلیل ورسوانہ کرنا۔

جویریہ نے جواب دیا میں تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دیتی ہوں۔

اس جواب کے بعد آنحضرت نے ان سے شادی کر لی اور حارث جو زرفدیہ لے کر بیٹی کو چھڑانے آیا تھا مسلمان ہوگیا۔ طبقات ابن سعد کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت جویریہ کے والد حارث نے ان کا زرفدیہ ادا کیا اور وہ آزاد ہوگئیں تو باپ کے ساتھ جانے کی بجائے آنحضرت سے نکاح کرنے کو ترجیح دی۔ ان کا مہر اسیران مریسیع کی رہائی تھا، چنانچہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آپ نے جنگ مریسیع کے تمام قیدی رہا کردیئے۔ ایک قول کے مطابق مسلمان فوجیوں نے ان کی رہائی کے لئے یہ موقف اختیار کیا کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی ہے اس کا کوئی فرد بھی غلام کی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جویریہ اپنی قوم اور قبیلے کے حق میں سب سے زیادہ باعث رحمت اور قابل مبارک باد ہیں کہ جن کی وجہ سے بنومصطلق کے کئی

خاندان آزادی وحریت کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام برہ تھا۔ان کا نام جویریہ رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث بھی مروی ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر، ابوایوب مراغی، حضرت کلثوم، کریب، حضرت عبداللہ بن شداد وغیرہ حضرات نے ان سے سماعت احادیث اور روایات بیان کرنے کا شرف حاصل کیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رئیس عرب اور سردار قبیلہ کی بیٹی ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں اور بہت ہی عبادت گزار تھیں۔ان کے شغف عبادت کا یہ حال تھا کہ ایک روز صبح کے بعد آنحضرت مسجد کے قریب سے گزرے تو انھیں مصروف دعا وعبادت پایا۔دوپہر کے قریب واپس آئے تو بھی اسی حالت میں دیکھا۔روزے کثرت سے رکھتی تھیں۔قناعت پیشہ اور جفاکش تھیں۔گفتگو میں اعتدال تھا اور زندگی کے تمام معاملات میں متوازن اور میانہ رو تھیں۔اپنے کام خود انجام دیتی تھیں۔تحمل اور بردباری کا پیکر تھیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں تو ان کی عمر بیس برس کی تھی۔۶۵ سال کی عمر پاکر ۵۰ ہجری میں بعہد امیر معاویہ ماہ ربیع الاول میں فوت ہوئیں۔مروان نے جو اس وقت عامل مدینہ تھا، نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

ایک روایت کے مطابق ۵۶ ہجری میں وفات پائی۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ ہے اور کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ والدہ صفیہ بنت ابوالعاص تھیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ باپ ابوسفیان تھے جن کا نام صخر تھا اور زیادہ تر کنیت ہی سے مشہور ومتعارف تھے۔ حضرت ام حبیبہ کی ولادت بعثت نبوی سے سترہ سال پہلے ہوئی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

حضرت ام حبیبہ کا پہلا نکاح ایک شخص عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا جو اسد بن خزیمہ کے خاندان سے تھا اور حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ دونوں میاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوئے اور ایک ساتھ ہی ہجرت حبشہ کا شرف حاصل کیا۔ حبشہ میں عبیداللہ سے ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کا نام حبیبہ رکھا اور اسی وجہ سے ان کی کنیت ام حبیبہ قرار پائی۔ اس لڑکی (حبیبہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تربیت کی منزلیں طے کیں اور قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم داؤد بن عروہ بن مسعود سے ان کی شادی ہوئی۔

ہجرت حبشہ سے کچھ عرصہ بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر عبیداللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ مکروہ اور بدنما شکل میں ان کے سامنے آیا ہے۔ وہ اس خواب سے سخت پریشان ہوئیں اور اس شبہے میں پڑ گئیں کہ کہیں صورت حال بگڑ نہ جائے۔ صبح ہوئی تو عبیداللہ نے سنجیدگی سے کہا: ام حبیبہ! میں مذہب کے مسئلے پر کئی روز سے غور کر رہا ہوں۔ نصرانیت سے مجھے کوئی مذہب بہتر معلوم نہیں ہوتا۔ میں نے اسلام تو بلاشبہ قبول کر لیا تھا، لیکن اب میں اسے ترک کرتا ہوں اور عیسائیت قبول کرتا ہوں۔

حضرت ام حبیبہ بہت گھبرائیں۔ عبیداللہ کو سخت ملامت کی اور عیسائیت کے

مقابلے میں اسلام کی حقانیت واضح کی اور اپنا خواب بھی بیان کیا۔ مگر عبیداللہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے اسلام ترک کر کے عیسائیت قبول کر لی اور عیاشی کی زندگی بسر کرنے لگا۔ وہ مے نوشی کا بھی عادی ہو گیا تھا اور آخر اسی حالت میں مر گیا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اب حبشہ میں تنہا تھیں اور بیوگی کی مصیبت میں مبتلا تھیں۔ عدت پوری ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس ام حبیبہ کے لئے پیغام نکاح دے کر بھیجا۔ پیغام ملتے ہی نجاشی نے اپنی کنیز ابرہہ کو حضرت ام حبیبہ کے پاس بھیجا اور آنحضرت کا پیغام پہنچایا، ساتھ ہی کہا کہ اگر جواب اثبات میں ہے تو اپنا کوئی وکیل نکاح بھی مقرر کر دیجئے تا کہ فوری طور پر یہ تقریب انجام پا جائے۔ حضرت ام حبیبہ نے اس پیغام کا جواب اثبات میں دیا۔ نجاشی کی خادمہ ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن، پاؤں کے دو چھلے اور ایک نقرئی انگوٹھی بطور تحفہ پیش کیں اور خالد بن سعید کو وکیل نکاح مقرر کیا۔ شام کے وقت نجاشی نے وہاں کے مسلمانوں اور حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو دعوت دی اور خود نکاح پڑھایا۔ مہر کے چار سو دینار مقرر کئے جو اسی وقت آنحضرت کی طرف سے خالد بن سعید کو دے دیئے گئے۔ نکاح کے بعد لوگ اٹھ کر جانے لگے تو خالد بن سعید نے ان کو بٹھا لیا اور کہا انبیاء کی یہ سنت ہے کہ وہ نکاح کے بعد لوگوں کو کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ چنانچہ سب کو کھانا کھلایا گیا۔ یہ نکاح ۶ ہجری کے آخر یا ۷ ہجری کے شروع میں ہوا۔ اس وقت حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۶ یا ۳۷ سال کی ہوگی۔ نکاح کے بعد وہ جہاز میں بیٹھ کر مدینہ کو روانہ ہو گئیں اور مدینہ کی بندرگاہ پر جا اتریں۔ ان دنوں آنحضرت خیبر میں قیام فرما تھے۔

تاریخ وسیر کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ حضرت ام حبیبہ کا مہر چار سو دینار مقرر کیا گیا تھا، یا تو یہ راوی کا سہو ہے، کیونکہ احمد بن حنبل اور علامہ ابن عبدالبر وغیرہ نے واضح طور سے لکھا ہے کہ آنحضرت کی صاحب زادیوں اور ازواج مطہرات کا مہر چار چار سو

درہم تھا۔ حضرت ام حبیبہ کا مہر بھی چار سو درہم ہوگا جو راوی کی غلطی سے چار سو دینار لکھا گیا، یا ممکن ہے یہ مہر چار سو دینار ہی ہو، کیونکہ یہ مہر آنحضرت کے بجائے شاہ حبش نجاشی نے مقرر کیا تھا اور اسی نے ادا کیا تھا۔

صحاح کی بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ حضرت ام حبیبہ کے والد ابوسفیان چونکہ زمانۂ جاہلیت میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے اور مسلمانوں سے سخت عداوت رکھتے تھے، اس لئے ان کے قبول اسلام کے بعد بعض مسلمان ان کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے اور ان سے متعلق کئی قسم کی باتیں کرتے تھے، لہٰذا ابوسفیان نے مسلمانوں میں مقبول ہونے کے لئے آنحضرت کی خدمت میں کچھ درخواستیں پیش کیں جن میں ایک یہ تھی کہ حضور ان کی بیٹی ام حبیبہ کو اپنے حلقۂ زوجیت میں داخل فرمالیں، چنانچہ آپ نے یہ درخواست قبول فرمائی لیکن یہ بات بھی صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ یہ راوی کا سہو ہے کیونکہ حضرت ام حبیبہ اپنے والد ابوسفیان سے بہت پہلے اسلام قبول کرچکی تھیں اور ان کے اسلام سے قبل امہات المومنین کے زمرے میں شامل ہوچکی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے احادیث بھی مروی ہیں جو صحاح کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کی تعداد ۶۵ کے قریب ہے۔ ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے، جن میں خود ان کی لڑکی حبیبہ، ان کے بھائی حضرت معاویہ، عتبہ بن عبداللہ بن عتبہ، عروہ بن زبیر، ابوالجراح، زینب بنت ابوسلمہ، صفیہ بنت شیبہ، شہر بن حوشب اور دیگر معزز حضرات شامل ہیں، جن میں صحابہ بھی ہیں اور تابعین بھی۔

حضرت ام حبیبہ نہایت عابدہ وزاہدہ تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا، اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا۔ اس فرمان رسول کا یہ اثر ہوا کہ خود فرماتی ہیں میں ہمیشہ بارہ رکعت نفل پڑھتی ہوں،

پھر ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد بھی ہمیشہ بارہ رکعت نفل پڑھتے رہے۔

ان کے والد ابوسفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو لگائی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کسی پر تین روز سے زیادہ افسوس نہ کیا جائے البتہ شوہر اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کے لئے چار مہینے دس دن سوگ منایا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے مقابلے میں کسی عزیز یا رشتے دار کو ترجیح نہ دیتیں، نہ کسی کی رعایت کرتیں۔ اس ضمن میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے جو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک مرتبہ ان کے والد ابوسفیان حالت کفر میں مدینہ منورہ آئے۔ ان کی آمد کا مقصد رسول اللہ ﷺ سے ملنا اور میعاد صلح میں توسیع کے بارے میں گفتگو کرنا تھا۔ وہ مدینہ آئے تو بیٹی کے پاس بھی گئے۔ حضرت ام حبیبہ کے مکان میں داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا۔ اس پر بیٹھنے کے لئے آگے بڑھے۔ حضرت ام حبیبہ جلدی سے اٹھیں اور آنحضرت ﷺ کا بستر الٹ دیا۔ ابوسفیان کو یہ بات ناگوار گزری، انھوں نے غصے کے عالم میں کہا یہ کیا حرکت ہے؟ یہ بستر تمہارے نزدیک مجھ سے زیادہ عزیز ہے؟ کہا جی ہاں! یہ دنیا کی سب سے مقدس ہستی پیغمبر خدا ﷺ کا بستر ہے، اس کو صاف و مطہر رکھنا ضروری ہے۔ آپ کفر کی آلودگیوں سے ملوث اور شرک کی گمراہیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ میرے لئے ممکن نہیں کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے کی اجازت دوں، آپ بے شک میرے باپ ہیں، لیکن کافر اور مشرک ہونے کی وجہ سے نجس اور غیر طاہر ہیں، آپ کا آنحضرت کے بستر پر بیٹھنا آنحضرت کے باب میں سوئے ادب ہے، جس کا ارتکاب میری موجودگی میں ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ابوسفیان غصے سے بھر گئے اور کہا:

لقد اصابك بعدی شر

تو میرے بعد بہت خرابیوں میں مبتلا ہوگئی ہے۔

لیکن حضرت ام حبیبہ نے باپ کے غصے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

اپنے بھائی حضرت معاویہ کے عہد خلافت میں ۴۴ کو ۷۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔ انتقال سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کہا سوکنوں میں جو تلخ کلامی ہوجاتی ہے، وہ کبھی کبھی ہم میں بہ تقاضائے بشریت ہو جاتی تھی، اس لئے مجھے معاف کر دیجئے اور میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے آپ کو معاف کیا۔ خدا آپ کی مغفرت کرے۔ بولیں:

سررتنی سرك الله

یعنی آپ نے مجھے خوش کیا، اللہ آپ کو خوش رکھے۔

الاستیعاب میں ان کی قبر کے بارے میں یہ عجیب واقعہ لکھا ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت زین العابدین) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا، اس سے ایک کتبہ برآمد ہوا، جس پر مرقوم تھا۔

هذا قبر رملة بنت صخر

کہ یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے (یاد رہے حضرت ام حبیبہ کا نام رملہ اور ان کے والد ابوسفیان کا نام صخر تھا) حضرت زین العابدین فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ کتبہ وہیں رکھ دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی قبر مدینہ منورہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مکان میں تھی۔ واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

ام المومنین حضرت صفیہ بنت حییؓ رضی اللہ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ انھیں صفیہ بنت حی اسرائیلیہ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید۔ والدہ کا نام برہ تھا جو یہودیوں کے مشہور خاندان بنوقریظہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت صفیہ کا سلسلہ نسب دودھیال کی طرف سے بنونضیر اور ننھیال کی طرف سے بنوقریظہ سے ملتا تھا۔ یہ دونوں عرب کے یہودی خاندان تھے اور بڑی شہرت واہمیت کے مالک تھے۔ حضرت صفیہ کے باپ اور نانا اپنی قوم کے سردار اور رئیس تھے۔ یہودیوں کے عرب قبائل میں ان کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت صفیہ کے والد حییؓ بن اخطب کے سامنے ان کی پوری قوم سرنگوں رہتی تھی اور تمام رؤسائے عرب انھیں اونچی شخصیت قرار دیتے تھے۔ حضرت صفیہ کی والدہ برہ سموان کی بیٹی تھیں اور سموان شجاعت وبسالت میں تمام عرب میں مشہور تھا۔ اس کی بہادری کی بہت سی داستانیں زبان زدعوام وخواص تھیں۔ بہرحال حضرت صفیہ حسب ونسب کے باب میں ننھیال اور ددھیال کی طرف سے ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔

حضرت صفیہ کی پہلی شادی ایک مشہور یہودی شاعر اور معروف بہادر جنگ جو سلام بن مشکم قرظی سے ہوئی تھی۔ اس نے کسی وجہ سے اس کو طلاق دے دی تو کنانہ بن ابوالحقیق سے نکاح کیا۔ یہ بھی شجاعت وبہادری میں سلام بن مشکم کی ٹکر کا تھا اور خیبر کے

مشہور قلعہ القموص کا سردار تھا۔ اس کی رہائش بھی اسی قلعے میں تھی۔ جنگ خیبر میں مسلمانوں کو یہودیوں کے مقابلے میں جب تاریخی فتح حاصل ہوئی اور یہودیوں کو عبرت ناک ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو کنانہ بن ابوالحقیق نے اپنے قلعے کے تحفظ کے لئے زبردست مقابلہ کیا اور مقابلے میں مارا گیا اور اس کے تمام اہل وعیال گرفتار کر لئے گئے۔

خیبر کی یہ لڑائی فیصلہ کن حیثیت رکھتی تھی۔ یہودیوں کو اس میں ایسی شکست کا سامنا کرنا پڑا کہ پھر وہ مسلمانوں سے متصادم ہونے کی جرأت نہ کر سکے۔ ان کے بڑے بڑے سردار اور جنگ جو ایک ایک کر کے مارے گئے۔ مرنے والوں میں حضرت صفیہ کا باپ، بھائی اور شوہر بھی شامل تھے۔ اسی بنا پر یہودی جنگی قیدیوں میں حضرت صفیہ کی حالت دوسروں کی نسبت بڑی ہی قابل رحم تھی۔

مسلمان فوجیوں میں مال غنیمت تقسیم ہونے لگا اور جنگی قیدیوں کو تقسیم کی غرض سے جمع کیا گیا تو ایک صحابی حضرت دحیہ کلبی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک لونڈی کے لئے درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ان قیدیوں میں سے خود ہی ایک لونڈی منتخب کرلو۔ دحیہ کلبی نے حضرت صفیہ کو پسند کیا۔ حضور نے ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ اتنے میں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) صفیہ حسب ونسب کے اعتبار سے اونچے درجے کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کرنا چاہیے جس کی یہ مستحق ہیں۔ دحیہ کلبی ان کے ساتھ عام عورتوں کا سا سلوک کریں گے جو ان کی عزت واحترام کے تقاضوں کے منافی ہوگا۔ یہ بنونضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ ہیں۔ ان کا باپ اور شوہر اپنی قوم کے رئیس تھے، لہٰذا انھیں دحیہ کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ مناسب یہ ہے کہ خود حضور ہی اسے اپنی تحویل میں لے لیں۔ آنحضرت نے صحابہ کا یہ مشورہ قبول فرمایا۔ دحیہ کو ایک اور لونڈی دے دی اور آپ نے صفیہ کو آزاد کر کے ازواج مطہرات میں شامل کر لیا۔

یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔آپ نے خیبر ہی میں ان کے ساتھ نکاح کرلیا۔وہاں سے چل کر ایک جگہ صہبا میں رسم عروسی ادا کی گئی اور دعوت ولیمہ بھی وہیں ہوئی۔صہبا سے کوچ کرنے لگے تو آنحضرت نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اونٹ پر سوار کیا اور اپنی عبا مبارک سے ان پر پردہ کیا،جس سے لوگوں کو یہ معلوم کرانا مقصود تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہونے کا شرف حاصل کرچکی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ حضرت صفیہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ میں پہنچے تو انھیں اپنے ایک جاں نثار صحابی حضرت حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر ٹھہرایا۔مدینہ کی مہاجر اور انصار عورتوں کو معلوم ہوا تو وہیں ان کو دیکھنے کے لئے آئیں۔ان معزز خواتین میں حضرت حفصہ،حضرت زینب بنت جحش،حضرت برہ اور حضرت عائشہ بھی شامل تھیں۔رضی اللہ عنہن۔یہ سب خواتین برقعہ اوڑھ کر حضرت صفیہ کو دیکھنے اور ملنے کے لئے آئیں۔جب واپس ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

كيف رأيتها يا عائشة؟

عائشہ تم نے انھیں کیسا پایا؟

کہا یہودیہ ہے۔

حضور نے فرمایا عائشہ ایسی بات مت کہو۔یہ مسلمان ہوچکی ہیں اور ان کا اسلام قابل تعریف ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی متحمل مزاج اور حلیم الطبع تھیں اور سخت سے سخت مصیبت کے موقعے پر بھی ضبط وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتی تھیں۔جب مسلمانوں نے ان کا قلعہ القموص فتح کیا اور خیبر کی دیواروں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو حضرت بلال ان کو اور ان کی چچازاد بہن کو ساتھ لے کر آنحضرت کی خدمت میں لے کر چلے۔

راستے میں یہودیوں کی بے شمار لاشیں پڑی تھیں، جن کے اوپر سے یہ گزر رہی تھیں۔ حضرت صفیہ کے شوہر کی لاش بھی انہی لاشوں میں تھی۔ یہ منظر دیکھ کر ان کی بہن کا دل کانپ اٹھا اور اس نے ایک ہولناک چیخ ماری اور سر پر خاک ڈالنے لگی۔ مگر حضرت صفیہ کی جبین متانت پر ادنٰی سی شکن بھی نہیں ابھری اور وہ سراپا تحمل بنے نہایت خاموشی سے گزر گئیں۔

ان کی ایک لونڈی نے ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شکایت کے انداز میں کہا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا میں اب بھی یہودیت کا اثر موجود ہے اور وہ یوم السبت کی عزت کرتی ہیں، نیز یہودیوں سے ان کی بول چال اور مراسم ہیں۔

حضرت عمر نے حضرت صفیہ سے دریافت کرایا تو جواب دیا یوم السبت کے بجائے مجھے یوم الجمعۃ مل گیا ہے اور میں یوم الجمعۃ ہی کا احترام کرتی ہوں، البتہ یہودی میرے رشتے دار اور قرابت دار ہیں، صلہ رحمی کے لئے ان سے میل جول رکھتی ہوں۔ اس کے بعد اس لونڈی کو بلایا اور فرمایا تمہیں اس شکایت پر کس نے آمادہ کیا تھا؟

کہا: شیطان نے۔

یہ سن کر حضرت صفیہ خاموش ہوگئیں اور لونڈی کو آزاد کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ سے حضرت صفیہ بدرجہ غایت محبت رکھتی تھیں۔ آنحضرت بیمار ہوئے تو ازواج مطہرات مزاج پرسی کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لائیں۔ آنحضرت کی تکلیف دیکھ کر حضرت صفیہ بہت مغموم ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ کاش! آپ کی تمام تکلیفیں مجھے مل جائیں اور آپ تندرست ہو جائیں۔

یہ سن کر ازواج مطہرات ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ حضور نے فرمایا واللہ! یہ سچ کہتی ہیں، یعنی ان کی یہ بات تصنع اور بناوٹ سے خالی ہے۔

قبول اسلام کے بعد یہودیت کا طعن ان کے لئے سخت تکلیف دہ اور قلبی کوفت

کا باعث تھا۔ ایک دفعہ آنحضرت تشریف لائے تو رو رہی تھیں۔ آپ نے رونے کی وجہ دریافت کی تو کہا عائشہ اور زینب کہتی ہیں ہم تمام ازواج مطہرات سے افضل ہیں کیونکہ ہمیں آنحضرت کی رشتہ دار ہونے کی سعادت بھی حاصل ہے۔

آپ نے فرمایا: تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ حضرت ہارون، چچا حضرت موسیٰ اور شوہر محمد (ﷺ) ہیں، اس لئے تم مجھ سے کس طرح افضل و بہتر قرار پا سکتی ہو؟

نہایت فیاض اور فراخ دست تھیں۔ اپنا ایک ذاتی مکان تھا۔ وہ بھی صدقے میں دے دیا تھا۔ آنحضرت کی زوجہ محترمہ کی حیثیت سے مدینہ منورہ آئیں تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات میں سونے کی بالیاں تقسیم کیں۔

مظلوم کی بے حد ہمدرد تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور کر لینے کے بعد ان کے مکان پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ ان کی امداد کے لئے خچر پر سوار ہو کر نکلیں اور ان کے مکان کی طرف چل پڑیں۔ اشتر نخعی کو معلوم ہوا تو اس نے خچر کو روک کر مارنا شروع کر دیا۔ مصلحتاً اس کا مقابلہ نہ کیا اور واپس چلی گئیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان کی خدمت پر مامور کیا۔

نہایت عقلمند اور حدیث کی عالمہ تھیں۔ لوگ ان سے بہت سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ ان کا مکان عورتوں کے ایک مدرسے بلکہ دار العلوم کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ایک خاتون صہیرہ بنت جعفر کا بیان ہے کہ وہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ گئیں تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوئیں۔ وہاں پہنچیں تو دیکھا کوفہ کی متعدد خواتین ان سے مختلف مسائل دریافت کر رہی ہیں اور وہ سب کے جواب نہایت متانت اور تحمل سے دے رہی ہیں۔

ان سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ روایت کرنے والوں میں امام زین

العابدین، کنانہ، مسلم بن صفوان، یزید بن مصعب اور اسحاق بن عبداللہ بن حارث خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۵۰ھ میں ساٹھ سال کی عمر پا کر فوت ہوئیں اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ وفات سے قبل وصیت کی تھی کہ میری متروکہ جائداد کا تیسرا حصہ میرے بھانجے کو دیا جائے۔ان کا ترکہ ایک لاکھ درہم پر مشتمل تھا۔جس بھانجے کے بارے میں وصیت کی تھی وہ یہودی مذہب رکھتا تھا۔اختلاف مذہب کی بنا پر لوگوں نے اس وصیت پر عمل کرنے سے پس وپیش کیا۔حضرت عائشہ کو معلوم ہوا تو ان الفاظ میں پیغام بھیجوایا۔

لوگو! اللہ کا خوف کرو اور صفیہ کی وصیت بہ ہر صورت پوری کرو۔

جوں ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ لوگوں کے کانوں میں گونجے، وہ پیچھے ہٹ گئے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وصیت پوری کی۔

☆☆☆

ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

والدین نے ان کا نام برہ رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے عقد میں آئیں تو آپ نے نام بدل دیا اور برہ کے بجائے میمونہ رکھ دیا۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔

میمونہ بنت حارث بن حزان بن بجیر بن ہذم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

والدہ کا نام ہند تھا جو عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش کی بیٹی تھیں۔

طبقات ابن سعد اور زرقانی کی روایت کے مطابق ان کا پہلا نکاح ایک شخص مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا تھا۔ نکاح کے بعد اس سے اختلاف پیدا ہو گیا اور معاملہ انقطاع وطلاق تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص ابورہم بن عبدالعزی کے عقد میں آئیں۔ ۷ ہجری میں ابورہم وفات پا گیا تو اسی سال رسول اللہ ﷺ کے حلقۂ زوجیت میں آنے کی سعادت حاصل کی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی آخری بیوی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے کسی سے نکاح نہیں کیا۔

مختصر الفاظ میں اس نکاح کی تفصیل یہ ہے کہ ۷ ہجری کے ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ ﷺ عمرے کی غرض سے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں آپ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو نکاح کا پیغام دے کر حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ حضرت میمونہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے بات کی اور انھیں اپنا وکیل وولی مقرر کیا۔ طبقات ابن

سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے ہی رسول اللہ ﷺ سے حضرت میمونہ کے نکاح کے بارے میں گفتگو کا آغاز کیا اور انہی نے آنحضرت کو اس نکاح کے لئے تیار کیا، یہ نکاح ۷ہجری میں ہوا اور مہر پانچ سو درہم مقرر کیا گیا۔ آنحضرت عمرہ سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کو واپس لوٹے تو ایک جگہ سرف میں قیام فرمایا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ کے راستے میں مکہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسی مقام پر رسم عروسی ادا کی گئی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے خادم حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو سرف ہی میں لے آئے تھے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ، عابدہ وزاہدہ اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ فقہ واجتہاد میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے بارے میں طبقات ابن سعد کی آٹھویں جلد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول درج ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کا اہتمام رکھنے والی خاتون ہیں۔

بے حد عقل مند اور صاحب بصیرت ودانش خاتون تھیں۔ مسائل پر گہری نظر رکھتی تھیں اور مسائل شرعیہ کے بارے میں غور وفکر کے تمام پیمانے ان کے سامنے رہتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک مرتبہ ایک عورت بیمار پڑ گئی، اس نے نذر مانی کی شفایاب ہوگئی تو بیت المقدس کا سفر کروں گی اور وہاں جا کر نماز پڑھوں گی۔ چند دنوں کے بعد صحت یاب ہوگئی اور بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہونے کی تیاری شروع کردی۔ رخصتی سلام کے لئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور درخواست دعا کی۔ انھوں نے ساری بات سنی تو فرمایا۔

دیکھو تمہیں معلوم ہے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا کتنا اجر ملتا ہے۔ مسجد نبوی اللہ کی ایک انتہائی مقدس جگہ ہے اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفی ﷺ کی تعمیر کردہ

ہے۔اس میں نماز پڑھی جائے تو دوسری مسجدوں سے ہزار گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔تم اتنا دور دراز کا سفر کرنے کی بجائے مدینہ ہی میں رہو اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ لو۔اس سے اللہ کے نزدیک زیادہ مستحق اجر وثواب قرار پاؤ گی۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پیکر اخلاص اور غریبوں کی ہم درد و معاون تھیں۔ کبھی کبھی قرض بھی لیتی تھیں اور وہ قرض کی رقم مستحقین کو تقسیم کر دیتی تھیں۔ایک مرتبہ کچھ زیادہ مستحقین آ گئے تو ان کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے زیادہ قرض لے لیا۔کسی نے پوچھا آپ جو اتنا زیادہ قرض لے رہی ہیں،اسے ادا کرنے کی کیا شکل ہوگی؟

فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص ادا کرنے کی نیت سے قرض لیتا ہے اللہ اس کا قرض ادا کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دیتا ہے۔ میں ضروری امور کی تکمیل کے لئے قرض لے رہی ہوں اور میرا مقصد نیک ہے، نیز مجھے یہ قرض بہر حال ادا کرنا ہے۔اللہ کے پیغمبر کے ارشاد کی روشنی میں مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ میرے قرض ادا کرنے کی ضرور کوئی بہتر اور مناسب صورت پیدا کر دے گا۔

شریعت کے احکام کی تبلیغ کے لئے ہر وقت کوشاں رہتی تھیں اور اگر کوئی احکام رسول کی ذرا بھی مخالفت کرتا تو اس سے سخت برتاؤ کرتیں۔ایک دفعہ ان کا ایک رشتہ دار ان کے مکان پر آیا۔اس سے گفتگو ہوئی تو معلوم ہوا کہ اسلام کے احکام کی کسی نہ کسی پہلو سے مخالفت کر رہا ہے،فوراً جھڑک دیا اور سخت الفاظ میں آئندہ اپنے مکان پر آنے سے روک دیا۔

انھیں غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ایک مرتبہ ایک لونڈی کو آزاد کیا تو آنحضرت نے فرمایا: اللہ تم کو اس کا اجر دے گا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے احادیث بھی مروی ہیں جن کی تعداد چھیالیس ہے۔بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے ۷۶ روایات مروی ہیں جن میں سات

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ ان روایات سے یہ حقیقت نمایاں ہوجاتی ہے کہ فقاہت اور علمی بصیرت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ اور ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے، جن میں حضرت عبداللہ بن عباس، عبدالرحمٰن بن سائب، عبداللہ بن شداد بن ہاد، عطاء بن یسار، عبداللہ بن سائب، ان کے بھانجے یزید بن اصم عبیداللہ خولانی، سلمان بن یسار، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، عبیدہ بن سائق اور عالیہ بنت سبیع ایسے عظیم المرتبت حضرات شامل ہیں۔ پھر آگے ان کے شاگردوں در شاگردوں کا سلسلہ بڑا وسیع ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں عجیب اتفاق ہے کہ ان کی وفات بھی اسی مقام پر ہوئی جہاں ان کی رسم عروسی ادا ہوئی تھی۔ یعنی سرف کے مقام پر، جو کسی زمانے میں ان کی شادی کی وجہ سے مشہور تھا، ان کا مدفن بھی وہی مقام قرار پایا۔ انھوں نے ۵۱ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب لوگوں نے ان کی میت کو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا:

لوگو! یہ رسول اللہ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ ان کے جنازے کو زیادہ حرکت نہ دو۔ ان کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ آہستہ قدم اٹھاؤ اور ادب کے ساتھ دفن کرو۔

☆ ☆ ☆

اسلامی تاریخ کے سنہرے واقعات پر مشتمل ۵/کتابیں

سنہری کرنیں

عورت کی شخصیت کے ایسے تمام پہلو جن میں اس کی ذہانت، شجاعت، تقویٰ، پرہیزگاری اور بہادری ظاہر ہوتی ہو، اس کتاب کی زینت ہیں، جن کے مطالعے سے نہ صرف تمام خواتین اور بچیوں میں بہتری کا ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا ہوگا بلکہ مطالعہ کرنے والے مردوں کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ شجاعت، ذہانت اور صبر و تحمل کی صفات کس طرح بھرپور انداز میں عورتوں میں بھی موجود رہتی ہیں۔

سنہرے فیصلے

اس کتاب میں نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نامور مسلم حکمرانوں اور قاضیان کرام کے وہ فیصلے شامل کیے گئے ہیں جن سے دنیا میں عدل وانصاف کی سنہری روایات قائم ہوتی ہیں اور آنے والے حکمرانوں، قاضیوں اور ججوں کو ان سے گراں قدر رہنمائی ملتی ہے، ان تابندہ روایات اور واقعات کو اس لئے بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے میں صالح اقدار پھر سے فروغ پائیں اور عوام اسلام کے انفرادی واجتماعی عدل کی برکتوں سے مستفید ہونے لگیں۔

سنہرے اوراق

اس کتاب میں روشن ماضی کے زندہ اور چمکتے دمکتے واقعات پر مشتمل ہماری سنہری تاریخ کے گمشدہ اوراق ہیں جو ہر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں دلچسپی رکھتے ہیں۔ ذہن کو جلا دینے والے اور سوچنے سمجھنے پر مجبور کرنے والے یہ حیران کن مشاہدات اور سبق آموز قصے ہماری کردار سازی اور شخصیت کی تعمیر میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

سنہرے حروف

اس کتاب میں نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین، ائمہ عظام، فقہائے کرام، سلف صالحین، نیک طینت خلفاء و سلاطین، صلحائے امت، سپہ سالاران اسلام اور مجاہدین صف شکن کی سیرت اور کردار جو مسلمانان عالم کے لئے مشعل راہ ہیں کے دلچسپ اور سبق آموز واقعات دلکش پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔

سنہرے نقوش

درحقیقت ایک پکچر گیلری ہے۔ اس میں اچھے اور برے دونوں طرح کے لوگوں کی زندگی کے سچے واقعات کی تصویر کشی کی گئی ہے جس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ نیکی کا لازمی نتیجہ کامیابی اور فتح مندی ہے جب کہ گناہ چاہے کتنا ہی چھپ کر کیا جائے وہ ہمارا پیچھا کرتا ہے، اپنا تاوان لیتا ہے اور ندامت کے ساتھ سچی توبہ نہ کی جائے تو ہمیشہ خون کے آنسو رلاتا ہے۔